{فَمَنْ شَهِدَ مِنْكُمُ الشَّهْرَ فَلْيَصُمْهُ}(البقرۃ:۱۸۵)

ترجمہ: (تم میں سے جو شخص اس مہینہ کو پائے اسے روزہ رکھنا چاہئے)

فضائل ومسائل

رمضان المبارک

جمع وترتیب؛

مفتی ابوصہیب نثار عفی عنہ

امام وخطیب؛ جامع مسجد بیت المکرم (لانڈھی)

فہرستِ موضوعات

گزارشات

رمضان المبارک کی آمد آمد ہے، اس بابرکت مہینے میں مسلمانانِ عالم اپنے آپ کو عبادت کے لیے ہر طرف سے یکسو کر لیتے ہیں تاکہ احسن طریقے سے اس بابرکت مہینے میں اپنے رب کی عبادت کر سکیں، عبادت کے مقبول ہونے کے لیے ضروری ہے کہ عبادت اس طریقے سے کی جائے جو طریقہ اللہ تعالی نے فرمایا اور جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بتلایا اور صحابہ کرام رضوان اللہ تعالی علیہم اجمعین نے کر کے دکھایا، کیونکہ عبادت تب ہی عبادت ہوگی جب وہ شریعت کے مطابق ہوگی۔

اسی کوشش میں سن 2016 سے جب امامت کی ذمہ داری ملی تو ہر ماہ رمضان میں نمازیوں کے سامنے روزہ سے متعلق، تراویح سے متعلق، اعتکاف سے متعلق، صدقہ فطر سے متعلق، اور زکوۃ سے متعلق اہم مسائل بیان کرتا رہتا تھا تاکہ مجھے اور باقی حضرات کو شریعت کے مطابق عبادت کرنے کا طریقہ معلوم ہو۔

اب کی بار دل میں یہ خیال آیا کہ اگر ان مسائل کو کتابی شکل میں مرتب کر کے عام کیا جائے تو اللہ تعالی کی ذات سے قوی امید ہے کہ انشاءاللہ اس سے فائدہ زیادہ ہوگا اور میرے لیے بھی اور میرے والدین اور اساتذہ کرام کے لیے ،اور خصوصا ہمارے کمپوزر بھائی کے لئے جنہوں نے خوش دلی کے ساتھ رنگین انداز میں انتہائی مشکل اور کٹھن مرحلے کو بحسن وخوبی پایہ تکمیل تک پہنچایا ان کے لئے بھی باعث اجر وثواب ہوگا۔

پس اللہ تعالی کی توفیق اور مدد سے کام کا آغاز کیا اور اللہ تعالی نے اس ارادے کو پایہ تکمیل تک پہنچایا اور اب وہ کوشش مرتب اور کتابی شکل میں آپ کے سامنے ہے۔

فی الحال یہ پی ڈی ایف میں شائع کی گئی ہے، اللہ تعالی سے دعا ہے کہ اللہ تعالی چھاپنے کی کسی کو توفیق عطا فرمائے ہماری طرف سے چھاپنے کی مکمل اجازت ہے۔

والسلام؛ مفتی ابوصہیب نثار عفی عنہ

الحمد للہ والصلاۃ والسلام علی رسول اللہ وبعد

روزہ کی لغوی واصطلاحی تعریف؛

»المبسوط «للسرخسی (3/54):

»الصوم في اللغة :هو الإمساك«

عربی لغت میں روزہ کو"الصوم" کہتے ہیں جو باب صام یصوم وصیاما سے مصدر ہے،صوم کالغوی معنیٰ"امساک"،یعنی کسی چیز سے رک جانا ہے،اس معنیٰ کی لفظِ صوم سے مناسبت یہ ہے کہ صائم یعنی روزہ دار،ایک مخصوص وقت کیلئے کھانے، پینے اور جماع وغیرہ سے رک جاتا ہے۔

اصطلاح شریعت میں صوم کی تعریف اس طرح کی جاسکتی ہے:

(تفسیر قرطبی (۱/۶۵۰)

"الامساك عن المفطرات مع اقترانه النية من طلوع الفجر الى غروب الشمس"

"یعنی طلوعِ فجر سے لیکر غروبِ آفتاب تک تمام مفطرات سے اس طرح رک جانا کہ (مکمل روزے میں) نیت شامل حال رہے"

تعریف کی وضاحت :

طلوعِ فجر سے مراد فجرِ ثانی ہے، جسے صبحِ صادق کہتے ہیں اس وقت افق سماوی پر صبح کا نور پھوٹتا اور نمودار ہوتا ہے۔ مفطرات سے مراد وہ تمام چیزیں جو روزہ توڑنے کا سبب بنتی ہیں :مثلاً : کھانا، پینا یا بیوی سے صحبت کرنا وغیرہ، چنانچہ روزہ کی حالت میں ان تمام چیزوں سے باز رہنا ضروری ہے،اس کے علاوہ گناہوں کے ارتکاب سے بھی بچنا ضروری ہے؛ کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے :

»السنن الكبرى-النسائي-ط الرسالة« (3/347):

»مَنْ لَمْ يَدَعْ قَوْلَ الزُّورِ وَالْعَمَلَ بِهِ فَلَيْسَ لِلَّهِ حَاجَةٌ بِأَنْ يَدَعَ طَعَامَهُ وَشَرَابَهُ«

ترجمہ:[جو شخص روزہ کی حالت میں قولِ زور یا عمل زور سے باز نہیں آتا تو اللہ تعالیٰ کو اس کے بھوکا اور پیاسا رہنے کی کوئی ضرورت نہیں ہے]

وضاحت؛

قولِ زور سے ہر وہ بات مراد ہے جو شریعت کے خلاف ہو، مثلاً : جھوٹ، غیبت، چغلی، اور بہتان طرازی وغیرہ، جبکہ عمل زور سے ہر وہ فعل مراد ہے جو شریعت کے خلاف ہو اس میں تمام صغیرہ وکبیرہ گناہ شامل ہیں۔

نیت فعل قلب ہے اور روزے کی حالت میں نیت کے شامل ہونے سے مراد یہ ہے کہ:

(۱) روزے دار کو معلوم ہو کہ وہ روزہ سے ہے۔

(۲) یہ عقیدہ بھی اسے معلوم ہو کہ روزہ اللہ تعالیٰ کا فریضہ ہے، یعنی اس کا ترکِ طعام وشراب وغیرہ اللہ تعالیٰ کے امر اور فریضہ کی بناء پر ہو محض ڈائٹنگ وغیرہ کی نیت نہ ہو، نہ ہی یہ نیت ہو کہ علاقے یا محلے یا گھر میں سب روزہ رکھتے ہیں لہذا میں بھی رکھ ہی لوں، اگر نہ رکھا تو لوگ کیا کہیں گے؟

(۳) یہ نیت بھی ہو کہ روزہ صرف اللہ تعالیٰ کیلئے ہے۔

(۴) اور یہ نیت بھی ہو کہ اس کا اجر صرف اللہ تعالیٰ سے مطلوب ہے۔

آخر الذکر دونوں نیتوں کا شامل حال ہونے کا اس حدیث قدسی سے اشارہ ملتا ہے:

[الصوم لی وأنا أجزی بہ] (رواہ البخاری من حدیث ابوھریرۃ) یعنی اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: [روزہ میرے لئے ہے اور اس کی جزاء بھی میں ہی دوں گا]

نیز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے :[من صام رمضان ایماناً واحتساباً غفرلہ ما تقدم من ذنبہ] (متفق علیہ)

ترجمہ: [جو شخص ایمان کے ساتھ، اور اللہ تعالیٰ سے اجر لینے کی نیت سے روزہ رکھے گا اس کے سابقہ تمام گناہ معاف کردیئے جائیں گے]

واضح ہو کہ اس حدیث میں ”ایماناً“ کی شرط بڑی معنی خیز اور قابل غور ہے، اس شرط کا تقاضہ یہ ہے کہ روزہ کی صحت وقبولیت کیلئے ایمان کی سلامتی ضروری ہے، اسی لیئے قولہ تعالیٰ: {يَاأَيُّهَا الَّذِيْنَ آمَنُوْا كُتِبَ عَلَيْكُمُ الصِّيَامُ} (البقرۃ ۱۸۳:) میں فرضیتِ روزہ کے تعلق سے اہلِ ایمان ہی مخاطب ہیں، لہذا {كُتِبَ عَلَيْكُمُ الصِّيَامُ} تک پہنچنے سے پہلے {يَاأَيُّهَا الَّذِيْنَ آمَنُوْا} کی منزل طے کرنا ضروری ٹھہرا، اب شریعتِ اسلامیہ میں کسی بھی شخص کو اس وقت تک ایمان کی صحت وسلامتی حاصل نہیں ہوسکتی، جب تک مندرجہ ذیل چھ امور کے متعلق اس کا علم وعقیدہ درست نہ

ہو، درست ہونے کا معنی یہ کہ کتاب وسنت کے عین مطابق ہو(یہ چھ امور حدیثِ جبریئل میں مذکور ہیں:

[الایمان أن تؤمن ب اللہ وملائکتہ و کتبہ ورسلہ والیوم الآخر والقدر خیرہ وشرہ]

ترجمہ: [یعنی ایمان یہ ہے کہ تم اللہ تعالیٰ، اس کے فرشتوں، اس کی کتابوں، اس کے رسولوں، قیامت کے دن اور تقدیر ،خواہ اچھی ہو یا بُری پر ایمان لے آؤ]

ان امورِ ایمان میں پہلا امر ایمان ب اللہ ہے، اور ایمان ب اللہ کا سب سے بنیادی نکتہ، عقیدۂ توحید ہے، بلکہ ہمارا دین ،دین توحید ہے، اور اگر کسی بندے کی توحید میں خلل ہو، چاہے ایک ذرہ کی مقدار میں کیوں نہ ہو تو کیا اس کا ایمان ب اللہ درست ہوسکتا ہے؟ ہرگز نہیں۔ مثال کے طور پر ایک شخص کسی بھی غیر اللہ (نبی، ولی، فرشتہ یا جن) کے حق میں کسی ایک چیز کے خالق، مالک یا مختار ومتصرف ہونے کا عقیدہ رکھتا ہو، تو اس کی توحید ٹوٹ جائیگی، نتیجۃً ایمان ب اللہ میں خلل آجائیگا ،نتیجۃً اس کے تمام روزے بلکہ تمام اعمال بیکار جائیں گے؛ کیونکہ اللہ تعالیٰ کا اٹل فیصلہ ہے:

{أَلَا لَهُ الْخَلْقُ وَالْأَمْرُ} (الاعراف:۵۴)

ترجمہ: (خبردار! کائنات کی ہر چیز کی خلق اور ہر خلق پر اَمر واختیار صرف اللہ تعالیٰ کیلئے ہے)

اسی طرح اگر کوئی شخص کسی بھی نوعِ عبادت (مثلاً : سجدہ، طواف، قربانی، نذرونیاز وغیرہ) کسی غیر اللہ کیلئے روا رکھتا ہو، یا عملاً انجام دیتا ہو، تو اس اس کی توحید ٹوٹ جائے گی، نتیجۃً ایمان ب اللہ مفقود ہوجائیگا، نتیجۃً روزہ جیسی عبادت کہ جس کی قبولیت کیلئے ایمان کی صحت شرط ہے بیکار جائیگی؛ کیونکہ عبادت تو صرف اللہ تعالیٰ کا حق ہے اور یہ مسئلہ مدارِ دین اور اصل ایمان ہے :

{يَا أَيُّهَا النَّاسُ اعْبُدُوا رَبَّكُمُ الَّذِي خَلَقَكُمْ وَالَّذِينَ مِنْ قَبْلِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُونَ} (البقرۃ:۲۱)

اللہ تعالیٰ نے قرآنِ حکیم میں اپنا پہلا امر جاری کرتے ہوئے فرمایا:

﴿يَا أَيُّهَا النَّاسُ اعْبُدُوا رَبَّكُمُ الَّذِي خَلَقَكُمْ وَالَّذِينَ مِنْ قَبْلِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُونَ ۝٢١﴾[البقرۃ 21:]

ترجمہ: (اے لوگو! تم صرف اپنے پروردگار کی عبادت کرو، جو تمہارا اور تم سے پہلے سب کا خالق ہے تاکہ تم (اعمال کی بربادی اور جہنم کے عذاب سے) بچ سکو)

اسی طرح اگر ایک شخص اللہ تعالیٰ کے اسماء وصفات کے تعلق سے کسی الحاد کا شکار ہوجائے، مثلاً : اللہ تعالیٰ کی کسی صفت کا انکار کردے، یا اللہ تعالیٰ کی کسی صفت کے بارہ میں مخلوق سے تشبیہ کا مرتکب بن جائے، یا اللہ تعالیٰ کی کسی صفت میں مرضی

کی تاویل کر بیٹھے یا اللہ تعالیٰ کی کسی صفت (مثلاً : روزی دینا، غیب کا جاننا وغیرہ) کو کسی مخلوق میں پیدا کر دے تو اس کی توحید ٹوٹ جائیگی، نتیجۃً : روزہ (جس کی قبولیت ایمان کی صحت کے ساتھ مشروط ہے) بے کار ہو گیا......شرک کی اس تباہ کاری کے حوالے سے اللہ تعالیٰ کا عمومی فرمان ہے:

{وَلَقَدْ أُوْحِيَ إِلَيْكَ وَإِلَى الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكَ لَئِنْ أَشْرَكْتَ لَيَحْبَطَنَّ عَمَلُكَ وَلَتَكُوْنَنَّ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ} (الزمر:٦٥)

ترجمہ: (اور تحقیق آپ کی طرف، اور آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) سے قبل ہر نبی کی طرف یہ وحی کی گئی کہ اگر تم نے شرک کر لیا تو تمہارے تمام اعمال برباد ہو جائیں گے......)

امورِ ایمان میں ایک اہم امر، ایمان بالرسل ہے، رسولوں کی بعثت میں پنہاں سب سے اہم نکتہ کیا ہے؟ وہی جو اللہ تعالیٰ نے بیان فرمایا:

{وَمَا أَرْسَلْنَا مِنْ رَّسُوْلٍ إِلَّا لِيُطَاعَ بِإِذْنِ اللهِ} (النساء:٦٤)

ترجمہ: (ہم نے آپ سے قبل جتنے بھی رسول مبعوث فرمائے، صرف اس لیئے کہ اللہ کے حکم سے ان کی اطاعت کی جائے)

سلسلۂ انبیاء ورسل کے خاتم، امام کائنات محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں جن کے اس انتہائی محکم ومؤکد حق کو قرآنِ حکیم نے بار بار دہرایا، بلکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت کو، ہدایت کی اساسی شرط قرار دیا:

{وَإِنْ تُطِيْعُوْهُ تَهْتَدُوْا} (النور:٥٤)

ترجمہ؛ اگر اس (رسول ﷺ) کی اطاعت کرو گے تو ہدایت پا جاؤ گے

ایک اور مقام پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت کو، اللہ تعالیٰ کی اطاعت قرار دیا (اصل توحید اور اصل دین اللہ تعالیٰ کی اطاعت ہے) چنانچہ فرمایا:

{مَنْ يُّطِعِ الرَّسُوْلَ فَقَدْ أَطَاعَ اللهَ} (النساء:٨٠)

ترجمہ: (اور جو رسول کی اطاعت کرے گا (صرف رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی) وہی درحقیقت اللہ تعالیٰ کی اطاعت کر رہا ہے)

اب ایمان بالرسل کا اولین تقاضہ یہی ہے کہ تمام امورِ دین میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت کی جائے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے قول وعمل پر کسی کی بات کو مقدم کرنا تو بہت بڑی جسارت ہے اسے کسی حیثیت کے قابل ہی نہ سمجھا جائے

......لیکن اگر کوئی شخص ایمان بالرسل کے تعلق منہج حق واعتدال جو قرآن وحدیث نے پیش کیا ہے سے منحرف ہو کر کسی غلو وتقصیر یا افراط وتفریط کا شکار ہو جائے تو اس کا ایمان ٹوٹ جائیگا، کیا ایسے شخص کی ایمان کی سلامتی برقرار رہ سکتی ہے؟ اس کا روزہ قابل قبول و باعثِ اجر ہو سکتا ہے؟ یہاں تو "ایمانا" کی اساس فراہم کرنا ضروری ہے جو اس کے مذکورہ کردار کی وجہ سے مفقود ہے۔

یہاں بھی اللہ تعالیٰ کے ایک عمومی فرمان کو ملاحظہ کرتے جائیے:

{يَاأَيُّهَا الَّذِيْنَ آمَنُوْا أَطِيْعُوْا الله وَأَطِيْعُوْا الرَّسُوْلَ وَلَا تُبْطِلُوْا أَعْمَالَكُمْ} (محمد:٣٣)

ترجمہ: (اے ایمان والو! اطاعت کرو اللہ تعالیٰ کی، اور اطاعت کرو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اور مت برباد کرو اپنی نیکیوں کو)

روزہ کا حکم:

روزوں کی فرضیت کے مراحل:

روزہ ایک شرعی عبادت ہے اور اہل کتاب میں سے سابقہ اُمتیں اس کی ربانی قانون سازی کو جان چکی تھیں۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان اس بات پر دلالت کر رہا ہے۔ فرمایا:

{يَاأَيُّهَا الَّذِيْنَ آمَنُوْا كُتِبَ عَلَيْكُمُ الصِّيَامُ كَمَا كُتِبَ عَلَى الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ} (البقرة:١٨٣)

ترجمہ: "مسلمانو! جیسے اگلے لوگوں کو روزہ رکھنے کا حکم دیا گیا تھا اسی طرح تم کو بھی گنتی کے کئی دن روزے رکھنے کا حکم دیا گیا ہے اس لیے کہ تم گناہوں سے بچو"

نیز اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان اس کی فرضیت پر دال ہے:

{فَمَنْ شَهِدَ مِنْكُمُ الشَّهْرَ فَلْيَصُمْهُ} (البقرة:١٨٥)

ترجمہ: (تم میں سے جو شخص اس مہینہ کو پائے اسے روزہ رکھنا چاہئے)

"ولیصم" لام امر کی وجہ سے صیغہ امر بن چکا ہے، اور امر کا اصل معنیٰ وجوب ہے جو روزے کے فرض ہونے کی دلیل ہے۔

پھر اسلام آیا تاکہ اس دین میں روزوں کی تشریعی حیثیت کو ایک مکمل صورت والا قرار عطا کرے۔ اللہ تعالیٰ کی حکمت اس بات کا تقاضا کر رہی تھی کہ روزوں کی شرعی قانون سازی کئی مراحل میں طے ہو۔ جیسے کہ اسلام میں دیگر بہت ساری

تشریعات کا حال ہے۔ یہ اللہ عزوجل کی طرف سے اپنے بندوں کے ساتھ رحمت وشفقت اور ان پر آسانی کے لیے تلطف کی بنا پر تھا۔ روزوں کے بارے میں اسلام کی عظیم قانون سازی کے مراحل کو جو شخص جانچنا، پرکھنا اور ان کا پیچھا کرنا چاہے تو اس کے لیے ممکن ہے کہ وہ ان مراحل کو یوں ترتیب دے لے۔

پہلا مرحلہ:......

(گزشتہ اُمتوں کے دور سے) ہر قمری مہینے کے ایام بیض (یعنی ۱۳، ۱۴اور ۱۵تاریخوں) کے تین اور ہر محرم کی دس تاریخ، یوم عاشوراء کے روزے فرض چلے آرہے تھے۔ (اور انہی کے مطابق مکی دور سے ہی مسلمان روزے رکھ رہے تھے۔) اس کے لیے درج ذیل حدیثوں کا بطور دلیل مطالعہ کریجیے:

ا: سیدنا جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ :رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہمیں دس محرم کے روزے کا حکم فرماتے، ہمیں اس پر آمادہ کرتے اور یوم عاشوراء آنے کے وقت ہماری دیکھ بھال بھی کرتے تھے۔ اور جب رمضان فرض ہوگیا تو پھر نہ ہی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس روزے کا حکم دیا اور نہ ہی اس سے منع فرمایا اور نہ ہی ہماری دیکھ بھال کی۔

صحیح مسلم رکتاب الصیام، باب صوم یوم عاشوراء، حدیث ۱۱۲۸:

ب: معاذہ العدویہ رحمہ اللہ نے اُم المؤمنین سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے پوچھا: کیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہر مہینے تین دن کے روزے رکھا کرتے تھے؟ تو انہوں نے فرمایا :ہاں"......الخ

صحیح مسلم رکتاب الصیام، باب استحباب صیام ثلاثۃ ایام من کل شھر، حدیث ۱۱۶۰:۔

مسألہ:......

ایام بیض کے تین دنوں کی تعیین مسئلہ ہے؛ کیا ان سے مراد ہر مہینے کی چاند کی ۱۳، ۱۴اور ۱۵تاریخیں ہیں؟ فقہاء کرام رحمہم اللہ جمیعاً کا اس بات پر اتفاق ہے کہ ہر مہینے تین دن کے روزے رکھنا مسنون ہیں۔ اور (احناف وشوافع اور حنابلہ کے) جمہور فقہاء اس بات کی طرف گئے ہیں کہ یہ روزے ہر قمری مہینے کے ایام بیض میں رکھنا مستحب ہیں، اور یہ ۱۳، ۱۴ اور ۱۵کی تاریخیں ہوتی ہیں۔

جامع الترمذی رکتاب الصوم، باب ما جاء فی صوم ثلاثۃ ایام من کل شھر، حدیث ۷۶۲ : عن ابی ذر رضی اللہ عنہ (وھو حسنٌ)

ان تاریخوں میں ایام بیض ان دنوں کو اس لیے کہا جاتا ہے کہ ان راتوں میں چاند کی روشنی مکمل ہوجاتی ہے۔ (اور وہ بدر

کہلاتا ہے۔)اس لیے ان راتوں میں چاند کی شدت بیاضت (سفید روشنی کی تیزی) کی وجہ سے ان کو''ایام بیض'' کہا جاتا ہے۔ چنانچہ ان ایام کی راتیں نہایت سفید روشنی کر دینے والی ہوتی ہیں۔اور ایک حدیث میں ہے کہ نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے جناب ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ کو مخاطب کر کے فرمایا تھا:

((يَا أَبَا ذَر! إِذَا صُمْتَ مِنَ الشَّهْرِ ثَلَاثَةَ أَيَّامٍ فَصُمْ ثَلَاثَ عَشْرَةَ وَأَرْبَعَ عَشْرَةَ وَخَمْسَ عَشْرَةَ.)) الموسوعة الميسرة: ۲۸/۹۳۔

''اے ابوذر! اگر تم مہینے کے تین روزے رکھو تو (چاند کی) تیرہ، چودہ اور پندرہ تاریخوں کے روزے رکھو۔''

دوسرا مرحلہ:......روزے کی عبادت کو شریعت میں باقاعدہ قانونی حیثیت دینے کے دوسرے مرحلہ میں عاشوراء کے روزے میں اختیار دے دینا تھا۔(کہ جو کوئی چاہے رکھے اور جو چاہے نہ رکھے۔)اور یہ رمضان المبارک کے ایام معدود (۲۹ یا ۳۰ دنوں) کی فرضیت کا حکم آنے کے بعد ہوا۔ جیسا کہ سورۃ البقرہ کی ان دونوں آیات سے واضح ہوتا ہے:

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا كُتِبَ عَلَيْكُمُ الصِّيَامُ كَمَا كُتِبَ عَلَى الَّذِينَ مِن قَبْلِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُونَ ۝ أَيَّامًا مَّعْدُودَاتٍ فَمَن كَانَ مِنكُم مَّرِيضًا أَوْ عَلَىٰ سَفَرٍ فَعِدَّةٌ مِّنْ أَيَّامٍ أُخَرَ وَعَلَى الَّذِينَ يُطِيقُونَهُ فِدْيَةٌ طَعَامُ مِسْكِينٍ فَمَن تَطَوَّعَ خَيْرًا فَهُوَ خَيْرٌ لَّهُ وَأَن تَصُومُوا خَيْرٌ لَّكُمْ إِن كُنتُمْ تَعْلَمُونَ ۝﴾ (البقرہ: ۱۸۳،۱۸۴)

''مسلمانو! جیسے اگلے لوگوں کو روزہ رکھنے کا حکم دیا گیا تھا اسی طرح تم کو بھی گنتی کے کئی دن روزے رکھنے کا حکم دیا گیا ہے اس لیے کہ تم گناہوں سے بچو۔ پھر جو کئی تم میں بیمار ہو یا سفر میں ہو (اور روزہ نہ رکھے) تو دوسرے دنوں میں وہ گنتی پوری کرلے، اور جن کو روزے کی طاقت ہی نہیں ہے تو وہ ہر روزے کے بدل ایک محتاج کو کھانا دیں۔ پھر جو کوئی نفل طور پر زیادہ نیکی کرے تو اس کے لیے اور اچھا ہے۔ اور اگر تم سمجھو تو روزہ رکھنا تمہارے حق میں بہتر ہے۔''

یہاں دوسری آیت کریمہ میں ''أَيَّامًا مَّعْدُودَاتٍ'' والے کلمات سے واضح ہو رہا ہے کہ اب سوائے کفارہ وغیرہ والے روزوں کے رمضان المبارک کے گنے چنے ۲۹ یا ۳۰ دنوں کے علاوہ باقی تمام روزے نفلی ہوں گے۔ جیسا کہ درج ذیل دونوں احادیث سے بھی واضح ہو رہا ہے)

ا: سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ:

((صَامَ النَّبِيُّ صلى الله عليه وسلم عَاشُورَاءَ وَأَمَرَ بِصِيَامِهِ، فَلَمَّا فُرِضَ رَمَضَانُ تُرِكَ.)) صحيح البخاری، كتاب الصوم، باب وجوب صوم رمضان، حديث: ۱۸۹۲

”نبی معظم صلی اللہ علیہ وسلم نے (کئی سال مسلسل) یوم عاشوراء (دس محرم) کا روزہ رکھا اور آپ نے اس دن روزہ رکھنے کا (اپنے صحابہ کو) حکم بھی دیا۔ مگر جب رمضان المبارک کے روزے فرض کر دیے گئے تو اس دن (عاشوراء) کا روزہ چھوڑ دیا گیا۔

ب: اور سیدنا ابن عمر رضی اللہ عنہما ہی سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((اِنَّ عَاشُوْرَاءَ يَوْمٌ مِنْ اَيَّامِ اللهِ، فَمَنْ شَاءَ صَامَهُ وَمَنْ شَاءَ تَرَكَهُ.)) صحیح البخاری، کتاب الصوم، باب وجوب صوم رمضان حدیث: ۱۸۹۲ وصحیح مسلم، کتاب الصیام، باب صوم یوم عاشوراء حدیث: ۱۱۲۶ واللفظ لہ۔

”بلاشبہ دس محرم (عاشوراء) اللہ کے دنوں میں سے ایک دن ہے۔ تو جو شخص چاہے اس دن روزہ رکھ لے اور جو چاہے اس دن کا روزہ چھوڑ دے۔

تیسرا مرحلہ:......

روزوں کی تشریعی حیثیت کے اعتبار سے تیسرا مرحلہ یوں تھا کہ ماہ رمضان کے روزوں کی استطاعت وطاقت رکھنے والے شخص کے لیے بھی اپنی جگہ کسی دوسرے آدمی کو روزے رکھواتے ہوئے (یعنی اس کی مکمل خوراک کا بندوبست کر کے) روزے نہ رکھنے کی اجازت تھی۔ تو (اس رخصت سے فائدہ اُٹھاتے ہوئے) جو چاہتا روزے رکھ لیتا اور جو چاہتا فدیہ ادا کر کے روزے چھوڑ دیتا، جیسا کہ اللہ عزوجل کا فرمان ہے:

﴿وَعَلَى الَّذِيْنَ يُطِيْقُوْنَهٗ فِدْيَةٌ طَعَامُ مِسْكِيْنٍ فَمَنْ تَطَوَّعَ خَيْرًا فَهُوَ خَيْرٌ لَّهٗ وَاَنْ تَصُوْمُوْا خَيْرٌ لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ۝﴾ (البقرۃ: ۱۸۴)

”اور وہ لوگ جو رمضان کے روزے کی استطاعت وطاقت نہ رکھتے ہوں وہ (ہر روزہ کے بدلے) ایک مسکین کا کھانا فدیہ دے دیا کریں۔ (ان کے لیے شرعاً اس رخصیت کی اجازت ہے۔) البتہ جو کوئی...... الخ“

چوتھا مرحلہ:......

روزوں کی فرضیت وتشریعی حیثیت کے حوالے سے چوتھے مرحلہ میں ”روزوں پر استطاعت ومقدرت کے ہوتے ہوئے“ اس اجازت کا منسوخ ہونا تھا۔ اور یہ اللہ رب العالمین کے درج ذیل فرمان کے ذریعے ہوا۔ فرمایا:

﴿شَهْرُ رَمَضَانَ الَّذِيْٓ اُنْزِلَ فِيْهِ الْقُرْاٰنُ هُدًى لِّلنَّاسِ وَبَيِّنٰتٍ مِّنَ الْهُدٰى وَالْفُرْقَانِ فَمَنْ شَهِدَ مِنْكُمُ الشَّهْرَ

فَلْيَصُمْهُ وَمَنْ كَانَ مَرِيضًا أَوْ عَلَىٰ سَفَرٍ فَعِدَّةٌ مِّنْ أَيَّامٍ أُخَرَ يُرِيدُ اللَّهُ بِكُمُ الْيُسْرَ وَلَا يُرِيدُ بِكُمُ الْعُسْرَ وَلِتُكْمِلُوا الْعِدَّةَ وَلِتُكَبِّرُوا اللَّهَ عَلَىٰ مَا هَدَاكُمْ وَلَعَلَّكُمْ تَشْكُرُونَ ﴾(البقرہ:۱۸۵)

”رمضان کا مہینہ وہ مہینہ ہے جس میں قرآن اُترا۔راہ بتلاتا ہے لوگوں کو اور اس میں کھلی کھلی دلیلیں ہدایت کی اور حق کو ناحق سے پہچاننے کی، پھر جو کوئی تم میں سے یہ مہینہ پائے (یعنی صحیح اور مقیم ہو مسافر نہ ہو) وہ اس میں روزے رکھے، اور جو کوئی بیمار یا مسافر ہو وہ دوسرے دنوں میں گنتی پوری کرے۔اللہ تم پر آسانی کرنا چاہتا ہے سختی کرنا نہیں چاہتا (جب تو مریض اور مسافر کو افطار کی اجازت دی) اور یہ چاہتا ہے کہ تم رمضان کی گنتی پوری کرو اور اللہ کی بڑائی کرو اس احسان پر کہ تم کو سیدھے رستہ چلایا اور تا کہ تم اس کا شکر کرو۔“

اس حکم سے واضح کر دیا کہ اس سے قبل تیسرے مرحلے میں جو حکم بیان ہوا تھا وہ منسوخ کر دیا گیا

پانچواں مرحلہ:......

درج ذیل دو حالتوں میں رمضان کے روزے نہ رکھنے کا یہ پانچواں (اور آخری) مرحلہ تھا۔

پہلی حالت:......

کسی مسلمان، عاقل و بالغ مرد یا عورت کے وجود میں ایسا مرض کہ جس کی وجہ سے اُس پر روزہ رکھنا دشوار ہو۔یا مریض کو روزہ اس بیماری سے شفایابی میں تاخیر کا سبب بنتے ہوئے اُسے تکلیف پہنچائے، یا اس کی بیماری میں اضافہ کا سبب بنے۔

دوسری حالت:......

مسلمان آدمی (مرد یا عورت) کا اس حالت میں سفر کرنا کہ اس کا یہ سفر اُسے طلوعِ فجر کے وقت درپیش ہو۔تو اس کے لیے ان دونوں حالتوں میں اس بات کی اجازت ہے کہ وہ روزہ نہ رکھے۔اور یہ کہ اُن دونوں کی قضاء رمضان کے بعد کر لے جتنے دنوں کے روزے اس سے بحالتِ سفر یا بحالتِ مرض رہ گئے ہوں۔جیسے کہ اللہ تعالیٰ کا ارشادِ گرامی ہے:

﴿وَمَنْ كَانَ مَرِيضًا أَوْ عَلَىٰ سَفَرٍ فَعِدَّةٌ مِّنْ أَيَّامٍ أُخَرَ﴾(البقرہ:۱۸۵)“

اور جو کوئی (اے مسلمانو! تم میں سے) مریض ہو یا سفر پر ہو تو اس پر ان دونوں کی قضاء دوسرے دنوں (غیر رمضان) میں ہے۔“

تو اس آخری مرحلہ پر آ کر روزوں کی تشریعی حیثیت نے مکمل صورت وحالت میں ان سارے تدریجی مراحل کے بعد قرار

پکڑا۔والحمد للّٰہ علی ذلک (تب سے لے کر آج تک اور تا قیامت اس پر اُمت کا عمل ہے اور رہے گا۔ان شاءاللہ)اس سے مقصود (اللہ کریم کی جانب سے) آسانی تھی اور عدم عذر کے وقت رمضان المبارک کا روزوں کی تعداد انہیں مکمل طور پر رکھ کر پوری کرنا تھی۔اسی طرح کسی عذر کی بناء پر ان میں سے جو روزے رہ جائیں ان کا تدارک قضاء کے ساتھ کرنا تھا۔ جیسا کہ اللہ عزوجل کا ارشادِ گرامی ہے:

﴿یُرِیۡدُ اللّٰہُ بِکُمُ الۡیُسۡرَ وَلَا یُرِیۡدُ بِکُمُ الۡعُسۡرَ وَلِتُکۡمِلُوا الۡعِدَّۃَ وَلِتُکَبِّرُوا اللّٰہَ عَلٰی مَا ھَدٰکُمۡ وَلَعَلَّکُمۡ تَشۡکُرُوۡنَ ۝﴾(البقرۃ:۱۸۵)

”(اے ایمان والو!) اللہ کریم تمہارے ساتھ آسانی کے معاملہ کا ارادہ رکھتا ہے اور وہ تمہارے ساتھ تنگی کے معاملہ کا ارادہ نہیں رکھتا۔اور یہ کہ تم روزوں کی تعداد (۲۹ یا ۳۰) تا کہ پوری کرسکو اور تا کہ تم اللہ کی بڑائی بیان کرسکو اس پر کہ جو اس نے تمہیں ہدایت (صراطِ مستقیم کی سمجھ) عطا فرمائی ہے اور تا کہ تم (اپنے اُس رب کریم کا) شکر ادا کرسکو۔“

روزوں کی تاریخ فرضیت:

جہاں تک روزوں کی تاریخ فرضیت کا تعلق ہے تو...... روزے ۲ ہجری کے ماہِ شعبان میں فرض ہوئے تھے اور یہ فرضیت اس آخری حالت والی کیفیت پر ہوئی کہ جس پر ان کو قرار ہوا۔اور اسی آخری مرحلہ والی حالت پر فرضیت کے بعد نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے نو سال روزے رکھے۔جہاں تک اس کیفیت کا تعلق ہے کہ جس پر روزوں نے قرار پکڑا تو وہ اس طرح تھی :روزوں کے ایام میں طلوعِ فجر صادق سے لے کر اس دن کے غروبِ آفتاب تک ان تمام چیزوں سے اپنے آپ کو روک کر رکھنا کہ جو روزے کو توڑنے والی ہوں۔جب کہ روزوں کو تشریعی حیثیت دینے کے آغاز میں یہ کیفیت نہ تھی۔اور کھانا، پینا اور جماع کرنا روزوں کی راتوں میں اس شرط پر مباح تھا کہ رات کے وقت روزے کی نیت کرنے والا آدمی اس رات افطار کرنے سے قبل سوئے گا نہیں۔اس طرح وہ آدمی کھانے پینے اور جماع کرنے سے قبل عشاء کی نماز نہیں پڑھے گا۔تو اگر وہ (افطار سے پہلے) سو گیا اور پھر اپنی نیند سے بیدار ہو کر اُٹھ کھڑا ہوا یا اس نے عشاء کی نماز پڑھ لی تو اس کے لیے کھانا، پینا یا جماع کرنا پوری رات اور اگلا دن پورا مباح نہیں رہتا تھا۔حتیٰ کہ وہ اگلے دن غروبِ آفتاب کے وقت افطار کر لیتا۔اور جہاں تک آدمی کے لیے روزوں کی رات میں کہ جب وہ افطار سے قبل سو جاتا، کھانے پینے کے حلال نہ ہونے کا تعلق ہے تو اس پر سیدنا براء بن عازب رضی اللہ عنہ کا یہ اثر بطورِ دلیل پیش خدمت ہے:

آپ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں:

((كَانَ أَصْحَابُ مُحَمَّدٍ صلى الله عليه وسلم إِذَا كَانَ الرَّجُلُ صَائِمًا فَحَضَرَ الْإِفْطَارُ فَنَامَ قَبْلَ أَنْ يُفْطِرَ، لَمْ يَأْكُلْ لَيْلَتَهُ وَلَا يَوْمَهُ حَتَّى يُمْسِيَ.)

)صحيح البخاری، كتاب الصوم، باب قول الله عزوجل :أُحِلَّ لَكُمْ لَيْلَةَ الصِّيَامِ...الخ، حديث :١٩١٥

''نبی مکرم محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ میں سے جب آدمی (رمضان کا) روزہ رکھے ہوئے ہوتا اور افطار کا وقت قریب آنے کے وقت وہ افطار کرنے سے قبل سوجاتا تو وہ اس پوری رات اور اگلا پورا دن کھا پی نہیں سکتا تھا حتی کہ اگلے دن کی مغرب کرلیتا۔

اوراس طرح اس پر چند ایک دیگر حادثاتی واقعات بھی پیش آئے۔

(اللہ عزوجل کی طرف سے) روزے داروں کے لیے رحمت وشفقت کی بنا پر بعض صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کی طرف سے ان واقعات کا حدوث ہوا تھا۔حتی کہ یہ واقعات اس وحی کے نزول کا سبب بن گئے کہ جس کی تلاوت کی جاتی ہے۔اور پھر اس وحی میں روزوں کی راتوں میں بیویوں سے جماع کرنے اور کھانے پینے کی اجازت نازل ہوگئی۔ چاہے کوئی افطار سے قبل سولے یا عشاء کی نماز پڑھ لے یا ان دونوں میں سے کوئی بھی معاملہ نہ کرے۔

ان حوادث میں سے چند ایک درج ذیل ہیں؛

ایک تو وہ واقعہ ہے جسے عبداللہ بن کعب بن مالک اپنے باپ کعب بن مالک رضی اللہ عنہ سے بیان کرتے ہیں کہ : لوگ رمضان المبارک میں اس حالت پر تھے کہ جب آدمی روزہ رکھ لیتا اور مغرب سے کچھ پہلے کا وقت ہوجاتا اور وہ سوجاتا تو اس پر کھانا، پینا اور عورتیں حرام ہوجاتیں حتی کہ وہ دوسرے دن (روزہ مکمل کرکے) شام کے وقت افطار کرتا اور (پھر ایسے ہوا کہ) جناب عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ نے ایک رات نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس گزاری، سحری آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس کی اور پھر واپس لوٹے۔دیکھا تو آپ رضی اللہ عنہ کی بیوی سوچکی ہیں۔مگر آپ رضی اللہ عنہ نے (اُنہیں جگاتے ہوئے) اُن سے ہم بستری کا ارادہ ظاہر کیا۔(ابھی رات باقی تھی اور سحری کا وقت ختم نہیں ہوا تھا) وہ کہنے لگیں :میں تو سوچکی ہوں۔آپ کہنے لگے :تم نہیں سوئیں (بہانہ نہ بناؤ۔) اور پھر جناب عمر رضی اللہ عنہ نے اُن سے صحبت کی۔صبح سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے اور آپ کو معاملہ کی خبر دی۔تب اللہ عزوجل نے اپنا یہ فرمان نازل فرمایا:

﴿أُحِلَّ لَكُمْ لَيْلَةَ الصِّيَامِ الرَّفَثُ إِلَى نِسَائِكُمْ هُنَّ لِبَاسٌ لَّكُمْ وَأَنتُمْ لِبَاسٌ لَّهُنَّ عَلِمَ اللَّهُ أَنَّكُمْ كُنتُمْ

تَخْتَانُوْنَ اَنْفُسَكُمْ فَتَابَ عَلَيْكُمْ وَعَفَا عَنْكُمْ فَالْـٰٔنَ بَاشِرُوْهُنَّ وَابْتَغُوْا مَا كَتَبَ اللّٰهُ لَكُمْ وَكُلُوْا وَاشْرَبُوْا حَتّٰى يَتَبَيَّنَ لَكُمُ الْخَيْطُ الْاَبْيَضُ مِنَ الْخَيْطِ الْاَسْوَدِ مِنَ الْفَجْرِ ثُمَّ اَتِمُّوا الصِّيَامَ اِلَى الَّيْلِ وَلَا تُبَاشِرُوْهُنَّ وَاَنْتُمْ عٰكِفُوْنَ فِي الْمَسٰجِدِ تِلْكَ حُدُوْدُ اللّٰهِ فَلَا تَقْرَبُوْهَا كَذٰلِكَ يُبَيِّنُ اللّٰهُ اٰيٰتِهٖ لِلنَّاسِ لَعَلَّهُمْ يَتَّقُوْنَ ○

﴿البقرہ: ۱۸۷﴾

”روزے کی رات میں (یعنی جس کی صبح کو آدمی روزہ رکھے) تم کو اپنی عورتوں سے صحبت درست کر دی گئی وہ تمہارا جوڑا ہیں اور تم ان کے جوڑے ہو اللہ کو معلوم ہو گیا تم اپنی جانوں سے خیانت کرتے تھے تو اس نے تم کو معاف کر دیا، اور تمہاری خطا سے درگزر کیا، اب ان سے (بیویوں) صحبت کرو اور جو اللہ نے تمہارے لیے (تمہاری قسمت میں) لکھا ہے (لڑکا یا لڑکی) اس کی خواہش رکھو اور کھاتے پیتے رہو یہاں تک کہ صبح کی سفید دھاری رات کی کالی دھاری سے تم کو صاف دکھائی دینے لگے۔ (صبح صادق ہو جائے اور سحری کا وقت ختم ہو جائے) پھر روزے کو رات تک پورا کرو۔ (غروبِ آفتاب تک) اور جب تم مسجد میں اعتکاف بیٹھو تو رات کو بھی) عورتوں سے صحبت نہ کرو، یہ اللہ تعالیٰ کی حدیں ہیں ان کے پاس بھی نہ جانا، اللہ تعالیٰ اسی طرح اپنے حکم صاف صاف لوگوں کو بتلاتا ہے تاکہ وہ (حکم کے خلاف کرنے سے) بچے رہیں۔“

أخرجہ أحمد فی مسند المکیین من حدیث کعب ابن مالک رضی اللہ عنہ، حدیث ۱۵۸۸۸ :

اس واقعہ کے راوی سیدنا کعب بن مالک رضی اللہ عنہ کے ساتھ خود اپنا بھی ایک ایسا ہی حادثہ پیش آ گیا تھا۔

ب : سیدنا البراء بن عازب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں : نبی معظم محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کرام میں سے جب (ہر) آدمی روزہ رکھے ہوئے ہوتا اور افطار کا وقت قریب آنے پر جب وہ (تھکاوٹ کی وجہ سے) سو جاتا تو وہ اس پوری رات اور آنے والا پورا دن کھا پی نہیں سکتا تھا حتی کہ آنے والے دن کی شام ہو جاتی۔ اور ہوا یوں کہ قیس بن صرمہ انصاری رضی اللہ عنہ روزے سے تھے اور جب افطار کا وقت قریب آیا تو وہ اپنی بیوی کے پاس آ کر پوچھنے لگے : کیا کچھ کھانے پینے کے لیے ہے؟ بیوی نے کہا : نہیں۔ البتہ میں نکلتی ہوں اور (اڑوس پڑوس کے ہمسایوں سے) تمہارے لیے کچھ لے کر آتی ہوں۔ جناب قیس بن صرمہ رضی اللہ عنہ سارا دن کام کر کے آئے تھے۔ چنانچہ (جونہی تھوڑا سا دراز ہوئے) اُن کی آنکھ لگ گئی۔ ادھے تھوڑی دیر کے بعد ان کی بیوی بھی آ گئیں۔ اس نے جب اُن کو اس حالت میں دیکھا تو کہنے لگیں : خَیْبَۃً لَکَ...... تمہارے لیے (میری) کوشش ناکام ہو گئی۔“

اور پھر (انہیں اسی حالت میں اگلے دن کا روزہ رکھنا پڑا) جب آدھا دن گزرا تو اُن کو غشی آ گئی۔ اس بات کا ذکر جب نبی

رحمت علیہ الصلاۃ والسلام سے کیا گیا تو اللہ رب کریم کی طرف سے (آسانی والا نیا حکم) نازل ہوا۔ فرمایا:

﴿اُحِلَّ لَكُمْ لَيْلَةَ الصِّيَامِ الرَّفَثُ اِلٰى نِسَآئِكُمْ هُنَّ لِبَاسٌ لَّكُمْ وَاَنْتُمْ لِبَاسٌ لَّهُنَّ عَلِمَ اللّٰهُ اَنَّكُمْ كُنْتُمْ تَخْتَانُوْنَ اَنْفُسَكُمْ فَتَابَ عَلَيْكُمْ وَعَفَا عَنْكُمْ فَالْـٰٔنَ بَاشِرُوْهُنَّ وَابْتَغُوْا مَا كَتَبَ اللّٰهُ لَكُمْ وَكُلُوْا وَاشْرَبُوْا حَتّٰى يَتَبَيَّنَ لَكُمُ الْخَيْطُ الْاَبْيَضُ مِنَ الْخَيْطِ الْاَسْوَدِ مِنَ الْفَجْرِ ثُمَّ اَتِمُّوا الصِّيَامَ اِلَى الَّيْلِ وَلَا تُبَاشِرُوْهُنَّ وَاَنْتُمْ عٰكِفُوْنَ فِي الْمَسٰجِدِ تِلْكَ حُدُوْدُ اللّٰهِ فَلَا تَقْرَبُوْهَا كَذٰلِكَ يُبَيِّنُ اللّٰهُ اٰيٰتِهٖ لِلنَّاسِ لَعَلَّهُمْ يَتَّقُوْنَ ۝

﴾(البقرہ:۱۸۷)

”روزے کی رات میں (یعنی جس کی صبح کو آدمی روزہ رکھے) تم کو اپنی عورتوں سے صحبت درست کر دی گئی وہ تمہارا جوڑا ہیں اور تم ان کے جوڑ ہو اللہ کو معلوم ہو گیا تم اپنی آپ چوری کرتے تھے تو اس ن یتم کو معاف کر دیا، اور تمہاری خطا سے در گزرا، اب ان سے صحبت کرو اور جو اللہ نے تمہارے لیے (تمہاری قسمت میں) لکھا ہے (لڑکا یا لڑکی) اس کی خواہش رکھو اور کھاتے پیتے رہو یہاں تک کہ صبح کی سفید دھاری رات کی کالی دھاری سے تم کو صاف دکھائی دینے لگے۔ پھر روزے کی رات تک پورا کرو۔ اور جب تم مسجد میں اعتکاف بیٹھو تو رات کو بھی) عورتوں سے صحبت نہ کرو یہ اللہ تعالیٰ کی حدیں ہیں ان کے پاس بھی نہ جانا، اللہ تعالیٰ اسی طرح اپنے حکم صاف صاف لوگوں کو بتلاتا ہے تاکہ وہ (حکم کے خلاف کرنے سے) بچے رہیں۔“

اس حکم کے نزول پر صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین خوش ہو گئے۔

صحیح البخاری، کتاب الصوم......

ج: اور جہاں تک اس مسئلہ و مرحلہ کا تعلق ہے کہ جب عشاء کی نماز ادا کر لیتے تو کھانا، پینا اور بیویوں سے مباشرت کرنا حرام ہو جاتا...... تو اس پر دلالت کرنے کے لیے اللہ عزوجل کے فرمان درج ذیل کے سبب نزول پر سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کا قول ہے۔ فرمایا:

﴿اُحِلَّ لَكُمْ لَيْلَةَ الصِّيَامِ الرَّفَثُ اِلٰى نِسَآئِكُمْ هُنَّ لِبَاسٌ لَّكُمْ وَاَنْتُمْ لِبَاسٌ لَّهُنَّ عَلِمَ اللّٰهُ اَنَّكُمْ كُنْتُمْ تَخْتَانُوْنَ اَنْفُسَكُمْ فَتَابَ عَلَيْكُمْ وَعَفَا عَنْكُمْ فَالْـٰٔنَ بَاشِرُوْهُنَّ وَابْتَغُوْا مَا كَتَبَ اللّٰهُ لَكُمْ﴾

(ترجمہ اوپر گزر چکا ہے۔)

اس آیت کا سبب نزول اور جناب ابن عباس رضی اللہ عنہما کی تفسیر یوں ہے: مسلمان آغازِ فرضیت رمضان میں رمضان

المبارک کے روزے یوں رکھتے تھے کہ جب وہ نمازِ عشاء ادا کر لیتے تو ان پر عورتیں اور کھانے پینے کی تمام چیزیں اگلے غروبِ آفتاب تک حرام ہو جاتے تھے۔ پھر مسلمانوں (صحابہ کرام) میں سے کچھ لوگوں نے رمضان المبارک میں عشاء کے بعد کھانا بھی کھالیا اور اپنی بیویوں سے وہ جماع بھی کر بیٹھے۔ ان میں سیدنا عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ بھی شامل تھے، اور ان لوگوں نے نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے ندامت کے ساتھ ذکر کیا تو اللہ تعالیٰ نے اپنا یہ فرمان نازل فرما دیا:

﴿عَلِمَ اللّٰهُ اَنَّكُمْ كُنْتُمْ تَخْتَانُوْنَ اَنْفُسَكُمْ فَتَابَ عَلَيْكُمْ وَعَفَا عَنْكُمْ فَالْـٰٔنَ بَاشِرُوْهُنَّ وَابْتَغُوْا مَا كَتَبَ اللّٰهُ لَكُمْ وَكُلُوْا وَاشْرَبُوْا حَتّٰى يَتَبَيَّنَ لَكُمُ الْخَيْطُ الْاَبْيَضُ مِنَ الْخَيْطِ الْاَسْوَدِ مِنَ الْفَجْرِ ثُمَّ اَتِمُّوا الصِّيَامَ اِلَى الَّيْلِ وَلَا تُبَاشِرُوْهُنَّ وَاَنْتُمْ عٰكِفُوْنَ فِي الْمَسٰجِدِ تِلْكَ حُدُوْدُ اللّٰهِ فَلَا تَقْرَبُوْهَا كَذٰلِكَ يُبَيِّنُ اللّٰهُ اٰيٰتِهٖ لِلنَّاسِ لَعَلَّهُمْ يَتَّقُوْنَ ۝﴾ (البقرہ: ۱۸۷)

(ترجمہ پیچھے گزر چکا ہے۔)

بعینہ اس ضمن میں جناب قاسم بن محمد رحمہما اللہ کی تفسیر ہے۔ کہتے ہیں: روزوں کی فرضیت (رمضان المبارک میں) کا آغاز یوں ہوا کہ آدمی عشاء سے اگلی عشاء تک روزہ رکھتا تھا۔ اور جب وہ سو جاتا تو اس کے بعد اپنی بیوی کے پاس نہیں آسکتا تھا۔ اور نہ ہی وہ کھا، پی سکتا تھا۔ حتیٰ کہ (وہ واقعہ پیش آیا کہ جس کا پیچھے ذکر آچکا ہے) جناب عمر رضی اللہ عنہ اپنی بیوی سے مباشرت کر بیٹھے۔ اس نے کہا بھی کہ میں سوگئی تھی (اس لیے اب میں آپ رضی اللہ عنہ کے لیے حلال نہیں ہوں۔) مگر وہ اس سے صحبت کر بیٹھے تھے۔ اور ادھر قیس بن صرمہ انصاری رضی اللہ عنہ نے سارا دن روزے سے گزار کر جب وقت قریب آیا تو افطار کرنے سے پہلے ہی سو گئے۔ اور (شرعی قانون یہ تھا کہ) جب وہ لوگ سو جاتے تو نہ وہ کھا سکتے تھے اور نہ ہی کچھ پی سکتے تھے۔ چنانچہ انہوں نے اگلی صبح روزے کی حالت میں ہی کی اور کیفیت یہ تھی کہ وہ روزے سے کہیں ہلاک نہ ہو جاتے۔ (اس قدر انہیں کمزوری اور تھکاوٹ لاحق ہوگئی۔) چنانچہ اللہ رب کریم نے اپنا یہ فرمان نازل کر کے رخصت اُتار دی۔ فرمایا:

﴿فَتَابَ عَلَيْكُمْ وَعَفَا عَنْكُمْ فَالْـٰٔنَ بَاشِرُوْهُنَّ وَابْتَغُوْا مَا كَتَبَ اللّٰهُ لَكُمْ وَكُلُوْا وَاشْرَبُوْا حَتّٰى يَتَبَيَّنَ لَكُمُ الْخَيْطُ الْاَبْيَضُ مِنَ الْخَيْطِ الْاَسْوَدِ مِنَ الْفَجْرِ ثُمَّ اَتِمُّوا الصِّيَامَ اِلَى الَّيْلِ﴾ (البقرہ: ۱۸۷)

(ترجمہ پیچھے گزر چکا ہے۔)

تفسیر الطبری عند تفسیر آیۃ ۱۸۷ من سورۃ البقرہ من طریق علی بن ابی طلحہ عنہ

اور پھر انہی امور کے ساتھ روزوں کے معاملہ نہ صرف طلوعِ فجر صادق سے لے کر غروبِ آفتاب تک کھانے، پینے، جماع اور دیگر مفطرات کی حرمت پر قرار اختیار کیا۔اور پوری رات ان چیزوں کے مباح ہونے کے حکم نے آخری صورت اختیار کی۔جب کہ پہلے یہ اجازت عدم نوم یا عدم صلاۃ عشاء کے ساتھ مقید تھی۔واللہ اعلم

فائدہ:......

اللہ تعالیٰ کے فرمان: ﴿عَلِمَ اللهُ أَنَّكُمْ كُنتُمْ تَخْتَانُونَ أَنفُسَكُمْ﴾......اللہ کو اس بات کا علم ہو چکا ہے کہ تم لوگ (اے مسلمانو!) اپنے آپ کے ساتھ خیانت کر رہے تھے۔" میں کلمہ "تَخْتَانُونَ" لفظ "تَخُوْنُوْنَ" سے کہ جو اس کلمہ کی تفسیر کر رہا ہے، معانی کے اعتبار سے زیادہ بلیغ ہے۔اور یہ بعض حروفِ تہجی کی زیادتی کی وجہ سے ہوتا ہے۔قاعدہ یہ ہے کہ (کسی بھی لفظ میں اس کا باب تبدیل کرنے کی وجہ سے) حروفِ ہجاء (ب ت......ھ ی تک) کی زیادتی اُس لفظ کے معنیٰ میں زیادتی پر دلالت کرتی ہے۔اور لفظ "تَخْتَانُوْنَ" خیانت کی بار بار ہونے والی زیادتی پر دلالت کرتا ہے۔یعنی جماع وغیرہ کے مقدمات کی کثرت کی وجہ سے۔

مسألۃ:......یہ جو اللہ عزوجل نے فرمایا ہے:

﴿وَكُلُوا وَاشْرَبُوا حَتَّىٰ يَتَبَيَّنَ لَكُمُ الْخَيْطُ الْأَبْيَضُ مِنَ الْخَيْطِ الْأَسْوَدِ مِنَ الْفَجْرِ﴾(البقرہ:۱۸۷)

"اور کھاتے پیتے رہو جب تک کہ صبح کی سفید دھاری (رات کی) سیاہ دھاری سے علیحدہ نہ ہو جائے۔" (یعنی صبح صادق تک۔)"

تو اس سے مراد......(دوسری) صبح صادق کا ظہور ہے۔اور یہ رات کی سیاہی سے صبح کی سفیدی کا امتیاز کے ساتھ ہوتا ہے۔اس لیے کہ (پہلی) صبح کاذب آفاق میں ظاہر ہوتی ہے۔(اس وقت ہلکی سی روشنی زمین کے کناروں سے اوپر کی طرف پھیلتی ہے) پھر یہ روشنی مستطیلاً بلند ہو کر انحطاط پذیر ہوتے ہوئے معدوم ہو جاتی ہے۔اس کے بعد اُفق میں شمالاً جنوباً (زمین کے کناروں پر) پھیلتے ہوئے صبح صادق کی روشنی پھیل جاتی ہے۔(اور یوں پَو پھٹ کر صبح صادق ہو جاتی ہے۔) اور اس میں رات کی سیاہی سے صبح کی سفیدی یوں نمایاں ہو جاتی ہے کہ دونوں کا استمرار و انتشار پھیلتے ہوئے رہتا ہے۔تو اس صبح صادق کے ظہور پر روزے دار کے لیے پورا دن گزار کر اگلی شام آنے تک روزے کو توڑنے والی تمام چیزیں حرام ہو جاتی ہیں۔اور اس روزے کا وقت اُفق میں سورج کی ٹکیہ مکمل طور پر غائب ہو جانے تک رہتا ہے۔

سیدنا عدی بن حاتم رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:((إِنَّمَا هُوَ سَوَادُ اللَّيْلِ وَبَيَاضُ النَّهَارِ۔))......"بلاشبہ صبح صادق رات کی سیاہی اور دن کی سفیدی ہوتی ہے۔

صحیح البخاری،کتاب الصوم،باب قول اللہ عزوجل :وَكُلُوا وَاشْرَبُوا......حدیث ۱۹۱۶:۔

سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((إِنَّ الْفَجْرَ لَيْسَ الَّذِي يَقُولُ هٰكَذَا...وَجَمَعَ أَصَابِعَهُ ثُمَّ نَكَسَهَا إِلَى الْأَرْضِ...وَلٰكِنِ الَّذِي يَقُولُ هٰكَذَا،وَوَضَعَ الْمُسَبِّحَةِ وَمَدَّ يَدَيْهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ۔))

"بلاشبہ فجر(صبح صادق)اس طرح نہیں جیسے کوئی یوں بیان کرتا ہے۔اور نبی معظم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی انگلیوں کو اکٹھی کر کے زمین کی طرف اُلٹ دیا۔)یعنی اوپر والا حصہ نیچے کی جانب اور نیچے والا اوپر کی جانب کرتے ہوئے انہیں اُلٹ دیا۔)اور پھر فرمایا :بلکہ صبح صادق کی حالت وکیفیت اس طرح ہے جیسے کوئی یوں بیان کرتا ہے۔اور پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم شہادت کی انگلی کو دوسری شہادت والی انگلی پر رکھتے ہوئے اپنے دونوں ہاتھوں کو پھیلا دیا۔

متفق علیہ : صحیح البخاری رکتاب الاذان باب الأذان قبل الفجر،حدیث ۶۲۱ :۔

یہ مسئلہ تو یوں تھا۔البتہ جب سورۃ البقرہ کی آیت ۱۸۷ میں یوں نازل ہوا:﴿حَتّٰى يَتَبَيَّنَ لَكُمُ الْخَيْطُ الْاَبْيَضُ مِنَ الْخَيْطِ الْاَسْوَدِ﴾اور﴿مِنَ الْفَجْرِ﴾...... والے الفاظ ابھی نازل نہیں ہوئے تھے تو صحابہ کرام نے سفید دھاری کے ظاہر ہونے والے معنی میں اپنے اجتہاد سے کام لیا۔چنانچہ سیدنا عدی بن حاتم رضی اللہ عنہ نے ارادہ کیا کہ وہ اپنے تکیہ کے نیچے اونٹ کا گھٹنا باندھنے والی دو رسیاں رکھ لیں۔ایک سفید رسی اور دوسری سیاہ رسی،تاکہ وہ رات کی صبح کے مقابلے میں پہچان کر سکیں۔اسی طرح صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین میں سے ایک شخص نے اس بات کا ارادہ کیا کہ وہ اپنے دونوں پیروں کے ساتھ دو دھاگے باندھ لیں۔ایک سفید دھاگا اور دوسرا سیاہ۔چنانچہ وہ صاحب اس طرح کے دونوں دھاگے باندھے کھاتے پیتے رہے یہاں تک کہ ان کے لیے ان دونوں کا منظر واضح ہو گیا۔اور یہ معاملہ اس طرح ہی رہا۔(یعنی صحابہ کرام اپنے اجتہاد سے آیت کریمہ میں وارد......اَلْخَيْطُ الْاَبْيَضُ مِنَ الْخَيْطِ الْاَسْوَدِ...کا معنی سمجھتے رہے۔)یہاں تک کہ اللہ عزوجل نے"مِنَ الْفَجْرِ"کے کلمات نازل فرما کر بات کو سمجھا دیا۔تو اس سے واضح ہو گیا کہ دو دھاگوں(دھاریوں)سے مراد صبح کی(سفید)دھاری اور طلوع فجر کے وقت رات کی دھاری ہے کہ جب یہ دونوں دھاریاں اُفق میں پھیل جائیں۔جیسا کہ پیچھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد یوں گزر چکا ہے کہ :اس سے مراد

رات کی سیاہی اور دن کی سفیدی ہے۔" اور پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا صبح صادق کی اپنی مبارک انگلیوں کے ساتھ شکل بنا کے صورت بھی بتانا گزر چکا ہے۔ اور احادیث میں اہل مدینہ کے مسلمانوں کے لیے جناب عبداللہ بن اُم مکتوم رضی اللہ عنہ کی اذان سننے کے بعد کھانے پینے سے رُک جانے کا ذکر بھی موجود ہے کہ وہ اپنی اذان کے ذریعے صبح صادق کا اعلان کرنے والا ہوتے ہیں۔ نہ کہ جناب بلال بن رباح رضی اللہ عنہ کی اذان کے ساتھ۔ کیونکہ وہ رات (یعنی تہجد) کی اذان دیتے تھے۔ (جو صبح کاذب کے وقت ہوتی تھی۔) اور فرمایا کہ: ((إِنَّ بِلَالًا يُؤَذِّنُ بِلَيْلٍ فَكُلُوا وَاشْرَبُوا حَتَّى يُؤَذِّنَ ابْنُ أُمِّ مَكْتُومٍ)) "بلال بن رباح رضی اللہ عنہ رات (تہجد) کی اذان دیتا ہے۔ اس لیے اس وقت کھاتے پیتے رہا کرو حتی کہ عبداللہ بن اُم مکتوم اذان دے دے۔" (اس وقت مفطرات الصوم سے رُک جاؤ۔

أخرجه البخاري رکتاب الأذان، باب الأذان قبل الفجر، حديث ۶۲۳: عن عائشة رضی اللہ عنہا۔

روزوں کی فضیلت

روزوں کی فضیلت، نفلی ہوں یا فرضی، متعدد احادیث سے ثابت ہے، مثلاً فرمایا:

((اَلصَّوْمُ جُنَّةٌ يَسْتَجِنُّ بِهَا الْعَبْدُ مِنَ النَّارِ))

"روزہ ایک ڈھال ہے جس کے ذریعے سے بندہ جہنم کی آگ سے بچتا ہے۔"

مسند أحمد 3: /396،

ایک دوسری روایت کے الفاظ اس طرح ہیں:

((اَلصَّوْمُ جُنَّةٌ مِّنْ عَذَابِ اللهِ))

"روزہ اللہ تعالیٰ کے عذاب سے (بچاؤ کی) ڈھال ہے۔"

مسند أحمد 4: /217،

ایک تیسری روایت کے الفاظ اس طرح ہیں:

((اَلصِّيَامُ جُنَّةٌ وَحِصْنٌ حَصِينٌ مِنَ النَّارِ))

"روزہ ڈھال ہے اور آگ سے بچاؤ کا مضبوط قلعہ ہے۔"

صحیح الترغیب :الصوم، حدیث 970 :۔

ایک حدیث میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((مَنْ صَامَ يَوْمًا فِي سَبِيلِ اللهِ بَعَّدَ اللهُ وَجْهَهُ عَنِ النَّارِ سَبْعِينَ خَرِيفًا))

صحیح البخاری، الجھاد والسیر، باب فضل الصوم فی سبیل اللہ، حدیث 2840 :،

''جس نے اللہ تعالیٰ کے راستے میں ایک دن روزہ رکھا تو اللہ تعالیٰ اس کے چہرے کو جہنم سے ستر سال (کی مسافت کے قریب) دور کر دیتا ہے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((إِنَّ فِي الْجَنَّةِ بَابًا يُقَالُ لَهُ :الرَّيَّانُ، يَدْخُلُ مِنْهُ الصَّائِمُونَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ، لَا يَدْخُلُ مِنْهُ أَحَدٌ غَيْرُهُمْ، يُقَالُ :أَيْنَ الصَّائِمُونَ؟ فَيَقُومُونَ، لَا يَدْخُلُ مِنْهُ أَحَدٌ غَيْرُهُمْ، فَإِذَا دَخَلُوا أُغْلِقَ، فَلَمْ يَدْخُلْ مِنْهُ أَحَدٌ))

''جنت کے (آٹھ دروازوں میں سے) ایک دروازے کا نام ''رَیَّان'' ہے، جس سے قیامت کے دن صرف روزے دار داخل ہوں گے، ان کے علاوہ اس دروازے سے کوئی داخل نہیں ہوگا۔ کہا جائے گا، روزے دار کہاں ہیں؟ تو وہ کھڑے ہو جائیں گے اور (جنت میں داخل ہوں گے) ان کے علاوہ کوئی اس دروازے سے داخل نہیں ہوگا۔ جب وہ داخل ہو جائیں گے تو وہ دروازہ بند کر دیا جائے گا اور کوئی اس سے داخل نہیں ہوگا۔

صحیح البخاری، الصوم، باب الریان للصائمین، حدیث 1896 :

((اَلصِّيَامُ وَالْقُرْآنُ يَشْفَعَانِ لِلْعَبْدِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ، يَقُولُ الصِّيَامُ :أَيْ رَبِّ إِنِّي مَنَعْتُهُ الطَّعَامَ وَالشَّهَوَاتِ بِالنَّهَارِ فَشَفِّعْنِي فِيهِ، يَقُولُ الْقُرْآنُ، مَنَعْتُهُ النَّوْمَ بِاللَّيْلِ فَشَفِّعْنِي فِيهِ، فَيُشَفَّعَانِ))

''روزہ اور قرآن قیامت کے دن بندے کی سفارش کریں گے۔ روزہ کہے گا، اے میرے رب! میں نے اس بندے کو دن کے وقت کھانے (پینے) سے اور جنسی خواہش پوری کرنے سے روک دیا تھا، لہٰذا تو اس کے بارے میں میری سفارش قبول فرما۔ قرآن کہے گا : میں نے اس کو رات کے وقت سونے سے روک دیا تھا، پس تو اس کے بارے میں میری سفارش قبول فرما، چنانچہ ان دونوں کی سفارش قبول کی جائے گی۔

]مسند أحمد 2: /174، حدیث 3882 :،2

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((فِتْنَةُ الرَّجُلِ فِي أَهْلِهِ وَمَالِهِ وَجَارِهِ، تُكَفِّرُهَا الصَّلَاةُ وَالصِّيَامُ وَالصَّدَقَةُ))

''آدمی کی آزمائش ہوتی ہے اس کے بال بچوں کے بارے میں، اس کے مال میں اور اس کے پڑوسی کے سلسلے میں

۔ان آزمائشوں کا کفارہ نماز،روزہ اور صدقہ ہیں۔"

صحیح البخاری،الصوم،باب الصوم کفارۃ،حدیث 1895 :

آزمائش کا مطلب ہے کہ اللہ تعالیٰ مذکورہ چیزوں کے ذریعے سے انسانوں کو آزماتا اوران کا امتحان لیتا ہے۔اولاد کی آزمائش یہ ہے کہ انسان ان کی فرطِ محبت کی وجہ سے غلط رویہ یا بخل یا خیر سے اجتناب تو اختیار نہیں کرتا یا ان کی تعلیم و تربیت میں کوتاہی تو نہیں کرتا۔مال کی آزمائش یہ ہے کہ انسان اس کے کمانے میں ناجائز طریقہ تو اختیار نہیں کرتا،اسی طرح اسے خرچ کرنے میں اسراف سے یا بخل سے تو کام نہیں لیتا۔پڑوسی کی آزمائش یہ ہے کہ انسان اس کے آرام و راحت کا خیال رکھتا ہے یا نہیں،اس کے دکھ درد میں اس کا معاون اور دست و بازو بنتا ہے یا نہیں۔

ان ذمہ داریوں کی ادائیگی میں جو کوتاہیاں انسان سے ہوجاتی ہیں۔نماز،روزہ اور صدقہ وخیرات ان کا کفارہ بن جاتے ہیں اور کوتاہیوں کا ازالہ ہوجاتا ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿إِنَّ الْحَسَنَاتِ يُذْهِبْنَ السَّيِّئَاتِ﴾ ھود 114:11۔

"نیکیاں برائیوں کو دور کر دیتی ہیں۔"

اس حدیث وآیت سے معلوم ہوا کہ ایک مسلمان کو نماز،روزہ اور صدقہ وخیرات اور دیگر نیکیوں کا اہتمام کرتے رہنا چاہیے تاکہ یہ نیکیاں اس کی کوتاہیوں اور گناہوں کا کفارہ بنتی رہیں۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((لِلصَّائِمِ فَرْحَتَانِ يَفْرَحُهُمَا، إِذَا أَفْطَرَ فَرِحَ وَإِذَا لَقِيَ رَبَّهُ فَرِحَ بِصَوْمِهِ))

"روزے دار کے لیے دو خوشیاں ہیں جن سے وہ خوش ہوتا ہے۔ایک جب وہ روزہ کھولتا ہے تو خوش ہوتا ہے اور (دوسری خوشی) جب وہ اپنے رب سے ملے گا تو اپنے روزے کی وجہ سے خوش ہوگا۔

صحیح البخاری،الصوم،باب ھل یقول إنی صائم إذا شتم،حدیث 1904 :،

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((وَالَّذِي نَفْسُ مُحَمَّدٍ بِيَدِهِ! لَخُلُوفُ فَمِ الصَّائِمِ أَطْيَبُ عِنْدَ اللهِ مِنْ رِيحِ الْمِسْكِ))

"قسم ہے اس ذات کی جس کے ہاتھ میں محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی جان ہے،روزے دار کے منہ کی بدلی ہوئی بو اللہ کے ہاں کستوری کی خوشبو سے زیادہ پاکیزہ ہے۔

صحیح البخاری، الصوم، باب ھل یقول : إنی صائم إذا شتم، حدیث
خُلفہ یا خَلُوف، اس بو کو کہتے ہیں جو معدے کے خالی ہونے پر روزے دار کے منہ سے نکلتی ہے۔ یہ بو عام حالات سے مختلف اور بدلی ہوئی ہوتی ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حدیث قدسی بیان فرمائی، جس میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

((اَلصِّیَامُ لِی وَ أَنَا أَجْزِی بِہٖ))

"روزہ میرے لیے ہے اور میں ہی اس کی جزا دوں گا۔
صحیح البخاری، الصوم، باب فضل الصوم، حدیث 1894 :

یعنی دیگر نیکیوں کے لیے تو اللہ تعالیٰ نے یہ ضابطہ بیان فرمایا ہے کہ ﴿مَن جَاءَ بِالْحَسَنَةِ فَلَهُ عَشْرُ أَمْثَالِهَا﴾الأنعام 160:6۔

یعنی نیکی کا صلہ کم از کم دس گنا ہے۔ اور دیگر دلائل سے ثابت ہے کہ بعض دفعہ اس سے بھی زیادہ سات سو گنا تک ملے گا۔ لیکن روزے کو اللہ تعالیٰ نے اس عام ضابطے اور کلیے سے مستثنیٰ فرما دیا اور یہ فرمایا کہ قیامت والے دن اس کی وہ ایسی خصوصی جزاء عطا فرمائے گا، جس کا علم صرف اسی کو ہے اور وہ عام ضابطوں سے ہٹ کر خصوصی نوعیت کی ہوگی۔

حضرت ابوامامہ باہلی رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا: اَیُّ الْعَمَلِ أَفْضَلُ؟ "کون سا عمل افضل ہے؟"
آپ نے فرمایا:

((عَلَيْكَ بِالصَّوْمِ فَإِنَّهُ لَا عِدْلَ لَهُ))

"تم روزوں کا اہتمام کرو، اس لیے کہ اس کی مثل کوئی عمل نہیں۔"
سنن النسائی، الصیام، باب 43 : حدیث 2224 :۔

یہ تمام احادیث، جو بیان ہوئیں، روزوں کی فضیلت میں عام ہیں، یعنی ہر قسم کے روزے ان کے ضمن میں آجاتے ہیں، چاہے وہ رمضان کے فرضی روزے ہوں یا رمضان کے علاوہ دیگر نفلی روزے۔ مذکورہ فضیلتیں ہر قسم کے روزہ دار کے لیے ہیں۔

اسی لیے اللہ تعالیٰ کے خاص بندے صرف رمضان ہی کے فرضی روزے نہیں رکھتے بلکہ وہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی اقتدا میں ہر وقت نفلی روزوں کا بھی اہتمام کرتے ہیں، جیسا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا معمول مبارک تھا۔ آپ کا معمول تھا کہ آپ ہر سوموار اور جمعرات کو روزہ رکھتے۔ ہر مہینے کے ایام بیض (13، 14 اور 15 تاریخ) کا روزہ رکھتے، ماہ شعبان

کے ایام اکثر روزوں کے ساتھ گزارتے، علاوہ ازیں جب کبھی گھر میں کچھ کھانے کو نہ ہوتا تو اس دن بھی آپ روزہ رکھ لیتے، عاشورے (10 محرم) کے دن روزہ رکھتے بلکہ زندگی کے آخری سال آپ نے فرمایا کہ میں آئندہ سال زندہ رہا تو نویں محرم کا روزہ بھی رکھوں گا، تاکہ محض دسویں محرم کا روزہ رکھنے سے یہودیوں سے مشابہت نہ ہو۔ ذوالحجہ کے ابتدائی 9 دنوں کے روزے رکھتے، شعبان کے مہینے میں اتنی کثرت سے روزے رکھتے کہ تقریباً سارا شعبان ہی روزوں کے ساتھ گزرتا۔ اس طرح نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم رمضان کے علاوہ وقتاً فوقتاً نفلی روزوں کا اہتمام فرماتے رہتے تھے۔ حتیٰ کہ بعض دفعہ صوم وصال بھی رکھ لیتے، یعنی بغیر کچھ کھائے پیے مسلسل روزے رکھتے۔ جس سے آپ نے اپنی امت کو منع فرمایا۔

رمضان کے روزوں کی خصوصی فضیلت

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا اور آپ کے اتباع میں صالحین واتقیاء کا کثرت سے نفلی روزے رکھنے کا یہ معمول اور عادت مبارکہ اسی لیے تھی کہ وہ روزوں کی وہ فضیلتیں حاصل کرنے کا شوق اور جذبہ رکھتے تھے جو پچھلے صفحات میں گزریں۔ جب نفلی روزوں کی یہ یہ فضیلتیں ہیں تو رمضان کے روزوں کا جو اجر وصلہ ملنا ہے، اس کا تو اندازہ ہی نہیں کیا جاسکتا، جو کہ فرض ہیں۔

اسی لیے نبیِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے رمضان کے روزوں کی بابت فرمایا:

((مَنْ صَامَ رَمَضَانَ إِيمَانًا وَّاحْتِسَابًا، غُفِرَ لَهُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِهِ))

”جس نے رمضان کے روزے رکھے، ایمان کے ساتھ اور ثواب کی نیت سے (یعنی دکھلاوے اور ریاکاری کے لیے نہیں) تو اس کے گزشتہ گناہ معاف ہوجاتے ہیں۔

صحیح البخاری، الصوم، باب من صام رمضان إیمانا واحتسابا ونیۃ، حدیث 1901 :

ایک اور حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((اَلصَّلَوَاتُ الْخَمْسُ، وَالْجُمُعَةُ إِلَى الْجُمُعَةِ، وَرَمَضَانُ إِلَى رَمَضَانَ مُكَفِّرَاتٌ مَا بَيْنَهُنَّ، إِذَا اجْتَنَبَ الْكَبَائِرَ))

”پانچوں نمازیں، جمعہ دوسرے جمعے تک اور رمضان دوسرے رمضان تک، ان گناہوں کا کفارہ ہیں جو ان کے درمیان ہوں، بشرطیکہ کبیرہ گناہوں سے اجتناب کیا جائے۔“

صحیح مسلم، الطھارۃ، باب الصلوات الخمس والجمعۃ إلی الجمعۃ...... الخ، حدیث 233 :۔

ایک اور حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((مَنْ صَامَ رَمَضَانَ ثُمَّ أَتْبَعَهُ سِتًّا مِنْ شَوَّالٍ، كَانَ كَصِيَامِ الدَّهْرِ))

”جس نے رمضان کے (فرضی) روزے رکھے اور اس کے بعد شوال میں چھ (نفلی) روزے رکھے، وہ شخص ایسے ہے جیسے وہ ہمیشہ روزے رکھنے والا ہے۔

صحیح مسلم، الصیام، باب استحباب صوم ستۃ أیام من شوال......الخ، حدیث 1164 :۔

اس کا مطلب یہ ہے کہ رمضان کے روزے اَلْحَسَنَةُ بِعَشْرِ أَمْثَالِهَا کے تحت تین سو (300) اور چھ روزے ساٹھ روزوں کے برابر شمار ہوں گے اور قمری سال کے تین سو ساٹھ (360) دن ہی ہوتے ہیں۔ یوں گویا ایک مسلمان صائم الدھر (ہمیشہ روزہ رکھنے والا) شمار ہوگا۔ اس اعتبار سے شوال کے یہ چھ روزے، جن کو شش عیدی کہا جاتا ہے، نفلی ہونے کے باوجود نہایت اہمیت کے حامل ہیں۔ ہر مسلمان کو رمضان المبارک کے روزوں کے ساتھ یہ چھ روزے بھی رکھ لینے چاہئیں تاکہ وہ عند اللہ صائم الدھر شمار ہو۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((إِذَا كَانَ أَوَّلُ لَيْلَةٍ مِنْ شَهْرِ رَمَضَانَ صُفِّدَتِ الشَّيَاطِينُ وَمَرَدَةُ الْجِنِّ وَغُلِّقَتْ أَبْوَابُ النَّارِ فَلَمْ يُفْتَحْ مِنْهَا بَابٌ وَفُتِحَتْ أَبْوَابُ الْجَنَّةِ فَلَمْ يُغْلَقْ مِنْهَا بَابٌ، وَيُنَادِي مُنَادٍ :يَا بَاغِيَ الْخَيْرِ! أَقْبِلْ، وَيَا بَاغِيَ الشَّرِّ! أَقْصِرْ، وَلِلّٰهِ عُتَقَاءُ مِنَ النَّارِ وَذٰلِكَ كُلَّ لَيْلَةٍ))

”جب ماہ رمضان کی پہلی رات ہوتی ہے تو شیاطین اور سرکش جنوں کو جکڑ دیا جاتا ہے، جہنم کے دروازے بند کر دیے جاتے ہیں، ان میں سے کوئی دروازہ کھلا نہیں رہنے دیا جاتا۔ اور جنت کے دروازے کھول دیے جاتے ہیں اور ان میں سے کوئی دروازہ بند نہیں رہنے دیا جاتا۔ اور ایک پکارنے والا پکار کر کہتا ہے۔ اے نیکیوں کے طالب! خوب پیش قدمی کر! اور اے برائیوں کے طالب! باز آجا۔ اور اللہ کے لیے جہنم سے آزاد کردہ لوگ ہوتے ہیں اور ہر رات کو ایسا ہوتا ہے۔ (رمضان کی ہر رات کو اللہ جہنم سے لوگوں کو آزاد فرماتا ہے۔“)

جامع الترمذی، الصوم، باب ماجاء فی فضل شھر رمضان، حدیث 682 :

اس روایت میں کچھ ضعف ہے، جو درج ذیل حدیث سے دور ہو جاتا ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((أَتَاكُمْ رَمَضَانُ، شَهْرٌ مُبَارَكٌ، فَرَضَ اللّٰهُ عَلَيْكُمْ صِيَامَهُ، تُفْتَحُ فِيهِ أَبْوَابُ السَّمَاءِ وَتُغْلَقُ فِيهِ أَبْوَابُ الْجَحِيمِ وَتُغَلُّ فِيهِ مَرَدَةُ الشَّيَاطِينِ، لِلّٰهِ فِيهِ لَيْلَةٌ خَيْرٌ مِنْ أَلْفِ شَهْرٍ، مَنْ حُرِمَ خَيْرَهَا فَقَدْ حُرِمَ))

”تمہارے پاس رمضان آیا ہے، یہ برکتوں والا مہینہ ہے، اللہ تعالیٰ نے اس کے روزے تم پر فرض کیے ہیں، اس میں

آسمان کے دروازے کھول دیے جاتے ہیں اور جہنم کے دروازے بند کر دیے جاتے ہیں اور سرکش شیطانوں کو جکڑ دیا جاتا ہے، اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے اس میں ایک رات ہوتی ہے جو ہزار مہینے سے بہتر ہے، جو اس کی بھلائی سے محروم رہا، وہ بڑا ہی حرماں نصیب ہے۔"

مسند أحمد 2: /230

ایک اور روایت میں ہے، رمضان کے شروع ہونے پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((إِنَّ هٰذَا الشَّهْرَ قَدْ حَضَرَكُمْ، وَفِيهِ لَيْلَةٌ خَيْرٌ مِّنْ أَلْفِ شَهْرٍ، مَنْ حُرِمَهَا فَقَدْ حُرِمَ الْخَيْرَ كُلَّهُ وَلَا يُحْرَمُ خَيْرَهَا إِلَّا مَحْرُومٌ))

"یہ ماہ مبارک تمہارے پاس آگیا ہے، اس میں ایک رات ہے جو ہزار مہینے سے بہتر ہے، جو اس سے محروم رہا، وہ ہر طرح کی خیر سے محروم رہا اور اس کی خیر سے بالکل محروم القسمت شخص ہی محروم رہتا ہے۔"

سنن ابن ماجہ، الصیام، باب ما جاء فی فضل شہر رمضان، حدیث 1644 :

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ایک حدیث میں ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((إِنَّ اللّٰهَ تَبَارَكَ وَتَعَالَى فَرَضَ صِيَامَ رَمَضَانَ عَلَيْكُمْ وَسَنَنْتُ لَكُمْ قِيَامَهُ فَمَنْ صَامَهُ وَقَامَهُ إِيمَانًا وَاحْتِسَابًا خَرَجَ مِنْ ذُنُوبِهِ كَيَوْمِ وَلَدَتْهُ أُمُّهُ))

"اللہ تبارک و تعالیٰ نے تم پر رمضان کے روزے فرض کیے ہیں اور میں نے تمہارے لیے اس (کی راتوں) کا قیام مقرر کیا ہے، چنانچہ جو شخص اس کے روزوں اور قیام کا ایمان کے ساتھ اور اجر و ثواب کی نیت سے اہتمام کرے گا، وہ گناہوں سے اس طرح پاک ہو جائے گا، جیسے وہ اس وقت پاک تھا جب اس کو اس کی ماں نے جنا تھا۔

سنن النسائی، الصیام، باب ثواب من قام رمضان وصامہ......، حدیث 2212 :،

ایک مرتبہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم منبر پر چڑھے تو فرمایا : آمین۔ دوسرے زینے پر چڑھے تو فرمایا : آمین۔ تیسرے زینے پر قدم رکھے تو فرمایا : آمین۔ اس کی وضاحت میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((أَتَانِي جِبْرِيلُ فَقَالَ :يَا مُحَمَّدُ! مَنْ أَدْرَكَ رَمَضَانَ فَلَمْ يُغْفَرْ لَهُ فَأَبْعَدَهُ اللّٰهُ فَقُلْتُ آمِين۔ قَالَ :وَمَنْ أَدْرَكَ وَالِدَيْهِ أَوْ أَحَدَهُمَا فَدَخَلَ النَّارَ، فَأَبْعَدَهُ اللّٰهُ فَقُلْتُ آمِين۔ قَالَ :وَمَنْ ذُكِرْتَ عِنْدَهُ فَلَمْ يُصَلِّ عَلَيْكَ، فَأَبْعَدَهُ اللّٰهُ، فَقُلْتُ آمِين))

''میرے پاس جبریل علیہ السلام آئے اور کہا : اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) جس شخص نے رمضان پایا اور اس کو بخش نہیں دیا گیا تو اللہ تعالیٰ اس پر لعنت فرمائے تو میں نے کہا : آمین (اے اللہ! اس بددعا کو قبول فرما) جبریل نے دوسری بددعا فرمائی : جس شخص نے اپنے والدین کو یا ان میں سے کسی ایک کو پایا، پھر بھی وہ جہنمی ٹھہرا تو اللہ اس کو اپنی رحمت سے دور کرے تو میں نے کہا : آمین ۔جبریل نے تیسری بددعا فرمائی : جس شخص کے سامنے آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) کا ذکر کیا گیا اور اس نے آپ پر درود نہیں پڑھا تو اللہ تعالیٰ اس کو بھی اپنی رحمت سے دور کرے تو میں نے کہا : آمین (یا اللہ! قبول فرما)۔

صحیح الترغیب 1: / 584، رقم 996 :۔

ان احادیث سے واضح ہے کہ رمضان کا مہینہ نہایت عظمت وسعادت کا مہینہ ہے، اللہ تعالیٰ اس کی خصوصی عظمت کی وجہ سے اس ماہ مبارک میں وہ وہ اقدامات فرماتا ہے جو مذکورہ حدیثوں میں بیان ہوئے۔ جن سے اس مہینے کی خصوصی فضیلت ثابت ہوتی ہے۔

رمضان کے روزے رکھنا، اسلام کے پانچ بنیادی ارکان میں سے ایک رکن ہے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((بُنِیَ الإِسْلَامُ عَلٰی خَمْسٍ، شَهَادَةِ أَنْ لَّآ إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ وَأَنَّ مُحَمَّدًا رَسُولُ اللّٰهِ، وَإِقَامِ الصَّلَاةِ وَإِيتَاءِ الزَّكَاةِ وَالْحَجِّ وَصَوْمِ رَمَضَانَ))

صحیح بخاری: جلد اول: حدیث نمبر 7 حدیث مرفوع مکررات 12 متفق علیہ 5

''اسلام کی بنیاد پانچ چیزوں پر ہے. 1 : اس بات کی گواہی دینا کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور یہ کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اللہ کے رسول ہیں ۔.2 نماز قائم کرنا ۔.3 زکاۃ ادا کرنا۔ .4 حج کرنا۔ .5 اور رمضان کے روزے رکھنا۔

اسی مہینے میں قرآن مجید کا نزول ہوا : ﴿شَهْرُ رَمَضَانَ الَّذِیٓ أُنْزِلَ فِيهِ الْقُرْآنُ﴾ البقرہ 185:2۔

﴿إِنَّآ أَنْزَلْنَاهُ فِي لَيْلَةِ الْقَدْرِ﴾ القدر 1:97 ۔جس کا ایک مطلب تو بعض علماء اور مفسرین نے یہ بیان کیا ہے کہ سب سے پہلی وحی جو غار حراء میں بصورت (اِقرا) جبریل امین لے کر آئے، وہ رمضان المبارک کا واقعہ ہے۔ اور دوسرا مطلب یہ بیان کیا گیا ہے کہ قرآن مجید پورا کا پورا لیلۃ القدر میں لوح محفوظ سے آسمان دنیا پر اتار دیا گیا اور لیلۃ القدر رمضان کے آخری عشرے کی طاق راتوں میں سے کوئی ایک رات ہوتی ہے۔

.3 اسی ماہ مبارک میں لیلۃ القدر ہوتی ہے، جس کی بابت اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

﴿لَيْلَةُ الْقَدْرِ خَيْرٌ مِّنْ أَلْفِ شَهْرٍ﴾

''شب قدر، ہزار مہینوں سے بہتر ہے۔'' القدر 3:97۔

ہزار مہینے کے 83 سال 4 مہینے بنتے ہیں عام طور پر انسانوں کی عمریں بھی اس سے کم ہوتی ہیں ۔لیکن اس امت پر اللہ تعالیٰ کی یہ کتنی مہربانی ہے کہ وہ سال میں ایک مرتبہ اسے لیلۃ القدر سے نواز دیتا ہے، جس میں وہ اللہ تعالیٰ کی عبادت کر کے 83 سال کی عبادت سے بھی زیادہ اجروثواب حاصل کرسکتا ہے۔

امام مالک رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

((أَنَّهُ سَمِعَ مَنْ يَّثِقُ بِهِ مِنْ أَهْلِ الْعِلْمِ يَقُولُ :إِنَّ رَسُولَ اللهِ صلى الله عليه وسلم أُرِيَ أَعْمَارَ النَّاسِ قَبْلَهُ أَوْ مَا شَاءَ اللهُ مِنْ ذٰلِكَ، فَكَأَنَّهُ تَقَاصَرَ أَعْمَارَ أُمَّتِهِ أَنْ لَّا يَبْلُغُوا مِنَ الْعَمَلِ مِثْلَ الَّذِي بَلَغَ غَيْرُهُمْ فِي طُولِ الْعُمُرِ، فَأَعْطَاهُ اللهُ لَيْلَةَ الْقَدْرِ، خَيْرٌ مِّنْ أَلْفِ شَهْرٍ))

''انہوں نے بعض معتمد علماء سے یہ بات سنی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو آپ سے پہلے لوگوں کی عمریں دکھلائی گئیں تو آپ کو ایسا محسوس ہوا کہ آپ کی امت کی عمریں ان سے کم ہیں اور اس وجہ سے وہ ان لوگوں سے عمل میں پیچھے رہ جائے گی جن کو لمبی عمریں دی گئیں ۔تو اللہ تعالیٰ نے (اس کا ازالہ اس طرح فرمادیا کہ) امت محمدیہ کے لیے لیلۃ القدر عطا فرمادی جو ہزار مہینوں سے بہتر ہے۔

موطا امام مالک، الاعتکاف، باب ماجاء فی لیلۃ القدر 1: / 321،

حَدَّثَنَا إِسْمَاعِيلُ قَالَ حَدَّثَنِي مَالِكُ بْنُ أَنَسٍ عَنْ عَمِّهِ أَبِي سُهَيْلِ بْنِ مَالِكٍ عَنْ أَبِيهِ أَنَّهُ سَمِعَ طَلْحَةَ بْنَ عُبَيْدِ اللَّهِ يَقُولُ جَاءَ رَجُلٌ إِلَى رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنْ أَهْلِ نَجْدٍ ثَائِرَ الرَّأْسِ نَسْمَعُ دَوِيَّ صَوْتِهِ وَلَا نَفْقَهُ مَا يَقُولُ حَتَّى دَنَا فَإِذَا هُوَ يَسْأَلُ عَنْ الْإِسْلَامِ فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ خَمْسُ صَلَوَاتٍ فِي الْيَوْمِ وَاللَّيْلَةِ فَقَالَ هَلْ عَلَيَّ غَيْرُهَا قَالَ لَا إِلَّا أَنْ تَطَوَّعَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَصِيَامُ رَمَضَانَ قَالَ هَلْ عَلَيَّ غَيْرُهُ قَالَ لَا إِلَّا أَنْ تَطَوَّعَ قَالَ وَذَكَرَ لَهُ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الزَّكَاةَ قَالَ هَلْ عَلَيَّ غَيْرُهَا قَالَ لَا إِلَّا أَنْ تَطَوَّعَ قَالَ فَأَدْبَرَ الرَّجُلُ وَهُوَ يَقُولُ وَاللَّهِ لَا أَزِيدُ عَلَى هَذَا وَلَا أَنْقُصُ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَفْلَحَ إِنْ صَدَقَ

ترجمہ: اسمعیل، مالک بن انس، ابوسہیل بن مالک، مالک، طلحہ بن عبیداللہ (رض) سے روایت کرتے ہیں کہ ایک شخص نجد کا رہنے والا جس کے سر کے بال بکھرے ہوئے تھے، رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے پاس آتا تھا اس کی

آواز کی گنگناہٹ تو سنی جارہی تھی لیکن یہ سمجھ میں نہیں آتا تھا کہ کیا کہہ رہا ہے لیکن جب قریب ہوا تو معلوم ہوا (کہ) وہ اسلام کی بابت آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) سے پوچھتا ہے، رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا کہ دن رات میں پانچ نمازیں ہیں، وہ شخص بولا کہ کیا ان کی علاوہ (بھی کوئی نماز) میرے اوپر (فرض) ہے؟ آپ نے فرمایا نہیں، مگر یہ کہ تو اپنی خوشی سے پڑھے (پھر) رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا رمضان کے روزے، اس نے عرض کیا کہ اس کے علاوہ (اور روزے بھی) میرے اوپر فرض ہیں؟ آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا نہیں۔ مگر یہ کہ تو اپنی خوشی سے رکھے (طلحہ (رض) کہتے ہیں کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے اس سے زکوۃ کا بھی ذکر کیا۔ اس نے کہا کہ میرے اوپر اس کے علاوہ (اور کوئی صدقہ بھی) فرض ہے؟ آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا نہیں، مگر یہ کہ تو اپنی خوشی سے دے، طلحہ (رض) کہتے ہیں کہ پھر وہ شخص یہ کہتا ہوا چلا کہ اللہ کی قسم نہ میں (اس عبادت میں اپنی طرف سے) زیادتی کروں گا اور نہ کمی کروں گا، رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا کہ اگر یہ سچ کہہ رہا ہے، تو کامیاب ہوگیا۔

صحیح بخاری: جلد اول: حدیث نمبر 45 حدیث مرفوع مکررات 16 متفق علیہ 6

روزے کا منکر کافر ہے؛

ان نصوص سے ثابت ہوا کہ رمضان کا روزہ فرض ہے، ارکانِ اسلام میں سے ایک بنیادی رکن ہے، اس کی فرضیت کا منکر کافر اور مرتد اور دائرۂ اسلام سے خارج ہے اور جو شخص روزہ کی فرضیت تو مانتا ہے، لیکن عمل طور پر نہیں رکھتا، اس کے بارہ میں سلفِ صالحین نے بڑا شدید کلام فرمایا ہے۔

امام ذھبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

"وعند المؤمنين فقرر ان من ترك صوم رمضان بلا مرض أنه شر من الزاني ومدمن الخمر بل يشكون في اسلامه ويظنون به الزندقة والانحلال۔"

(یعنی سلف صالحین میں یہ بات طے شدہ تھی کہ جو شخص بلا عذر ایک روزہ چھوڑ دے وہ زانی اور شرابی سے بدتر ہے بلکہ سلفِ صالحین تو اس کے مسلمان ہونے میں شک کیا کرتے تھے اور اسے زندیق اور راہِ حق سے کھسکا ہوا قرار دیتے تھے۔)

روزہ کے حِکَم ومقاصد

علماء کرام نے روزہ کی بہت سی حکمتیں بیان فرمائی ہیں، جن کا ہم آگے چل کر انتہائی اختصار کے سے تذکرہ کریں گے لیکن ہمارے نزدیک روزے کی سب سے بڑی حکمت اور سب سے ارفع واعلیٰ مقصدوہ ہے جس کا اللہ رب العزت نے اپنے مقدس کلام میں ذکر فرمایا ہے:

{يَاأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا كُتِبَ عَلَيْكُمُ الصِّيَامُ كَمَا كُتِبَ عَلَى الَّذِينَ مِن قَبْلِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُونَ} (البقرة:١٨٣)

ترجمہ: (اے ایمان والو! تم پر روزے رکھنا فرض کیا گیا جس طرح تم سے پہلے لوگوں پر (صوم) فرض کیا گیا تھا تاکہ تم تقویٰ اختیار کرو)

گویا روزہ کا مقصد بندوں کو زیورِ تقویٰ سے آراستہ کرنا ہے، جو بندہ اس مقصد کو پا گیا، وہ یقینا سعادتِ دارین سے ہمکنار ہوگیا؛ کیونکہ دونوں جہانوں کی فلاح ونجاح کے حصول کیلئے تقویٰ ایک نہایت ہی قوی اساس ہے اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

{وَسَارِعُوا إِلَى مَغْفِرَةٍ مِّن رَّبِّكُمْ وَجَنَّةٍ عَرْضُهَا السَّمَاوَاتُ وَالْأَرْضُ أُعِدَّتْ لِلْمُتَّقِينَ} (آل عمران:١٣٣)

ترجمہ: (اور اپنے رب کی بخشش کی طرف اور اس کی جنت کی طرف دوڑو جس کا عرض آسمانوں اور زمین کے برابر ہے، جو پرہیزگاروں کیلئے تیار کی گئی ہے)

نیز فرمایا: {وَمَن يَتَّقِ اللهَ يَجْعَل لَّهُ مَخْرَجًا. وَيَرْزُقْهُ مِنْ حَيْثُ لَا يَحْتَسِبُ} (الطلاق:٢،٣)

ترجمہ: (جو شخص اللہ سے ڈرتا ہے اللہ اس کیلئے چھٹکارے کی شکل نکال دیتا ہے، اور اسے ایسی جگہ سے روزی دیتا ہے جس کا اسے گمان بھی نہ ہو)

تقویٰ، وقایۃ سے ہے، وقایۃ کا معنیٰ کسی چیز سے بچاؤ حاصل کرنا۔ تقویٰ دنیا میں گناہوں سے بچاؤ کا بڑا مؤثر اور کارگر عامل اور مضبوط ترین ہتھیار ہے۔

صحیح بخاری ومسلم کتاب النکاح میں عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی روایت سے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمان منقول ہے: [یامعشر الشباب من استطاع منكم الباءة فليتزوج فانه أغض للبصر وأحصن للفرج ومن لم يستطع فعليه بالصيام فانه له وجاء]

ترجمہ: [اے نوجوانو! تم میں سے جو شخص نکاح کی طاقت رکھتا ہے وہ ضرور نکاح کرلے (کیونکہ نکاح اس کی شرمگاہ کی حفاظتی......اور نگاہوں کی عفت کا باعث ہے) اور جسے نکاح کی طاقت نہیں وہ روزے رکھے، کیونکہ روزہ اس کی شہوت کی حدت اور شدت کو ماند کردے گا]

اس کی وجہ بتلاتے ہوئے امام قرطبی فرماتے ہیں: (ترجمہ) ".....کیونکہ ترکِ طعام یا قلتِ طعام سے حس شہوت کمزور ہوگی، اور شہوت کی کمزوری سے معصیتوں کا صدور کم سے کم رہ جائیگا....."

اسی لئے ایک حدیث میں روزہ کو ڈھال کہا گیا ہے، یعنی ایسی ڈھال جو روزے دار کا گناہوں سے دفاع کرتی ہے، چنانچہ حافظ ابن خزیمہ اپنی صحیح میں روایت لائے ہیں:

عن عثمان بن ابی العاص رضی الله عنه قال: سمعت رسول الله صلی الله علیه وسلم یقول: [الصیام جنة من النار کجنة أحدکم من القتال] (۳/۱۸۹۱)

عثمان بن ابی العاص رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں، میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا: [روزہ جہنم کی آگ کے خلاف ڈھال ہے، جیسے جنگ میں تم دشمن کے خلاف ڈھال استعمال کرتے ہو]

جبکہ مسند احمد (۲/ ۴۰۲) میں ابوھریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت سے مروی ایک حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان یوں منقول ہے:

[الصیام جنة وحصن حصین من النار] یعنی [روزہ جہنم کی آگ سے بچانے کیلئے ایک مضبوط ڈھال اور محفوظ ترین قلعہ ہے]

واضح ہو کہ جہنم کی آگ سے بچاؤ تب ہی ممکن ہوگا جب دنیا میں گناہوں سے بچاؤ حاصل ہو، اس کیلئے روزہ زبردست معاون ہے۔ بالفاظِ دیگر روزے دار کیلئے دورانِ روزہ معصیتوں سے گریزاں رہتے ہوئے صرف ایسے اعمال سرانجام دینا ضروری ہیں جو نیکی، اطاعت اور خیر وصلاح کے زمرے میں آتے ہوں۔

تربیت کا یہی معیار و مستوی، عین تقویٰ ہے، جسے روزے کی مقصدیت کے طور پر {لعلکم تتقون} کے الفاظ سے بیان کیا گیا ہے۔ یہی تقویٰ روزے کی، بلکہ ہر نیکی کی قبولیت کی علامت ہے،

لقولہ تعالیٰ {إِنَّمَا يَتَقَبَّلُ اللهُ مِنَ الْمُتَّقِينَ} (المائدہ ۲۷:)

ترجمہ: (اللہ تعالیٰ تقویٰ والوں کا ہی عمل قبول کرتا ہے)

روزہ کی اسی حقیقت وحکمت کے پیشِ نظر امام ابن القیم رحمہ اللہ نے "منہاج القاصدین" میں روزے کے تین مراتب بیان فرمائے ہیں:

(۱) عام لوگوں کا روزہ۔

(۲) خاص لوگوں کا روزہ۔

(۳) خاص الخاص لوگوں کا روزہ۔

عام لوگوں کا روزہ صرف پیٹ اور شرمگاہ کی خواہشات اور شہوات سے بچاؤ کا نام ہے،

خاص لوگوں کا روزہ پیٹ اور شرمگاہ کی خواہشات وشہوات سے بچاؤ کے ساتھ ساتھ ،نگاہ، زبان ہاتھ پاؤں، کان اور دیگر اعضاء کو ہر قسم کے گناہ سے محفوظ رکھنے کا نام ہے۔

جبکہ خاص الخاص لوگوں کا روزہ یہ ہے کہ مذکورہ تمام امور کو ملحوظ رکھنے کے ساتھ ساتھ اپنے قلب کو بھی اس قدر محفوظ بنالیں کہ اس میں ایسے افکار وخیالات کی کوئی گنجائش باقی نہ رہے جو بندے کو اللہ تعالیٰ سے غافل کرنے یا دور کرنے کا سبب بن جائیں۔

واضح ہو کہ علماء کرام نے روزہ کی مزید بہت سی حکمتیں بیان فرمائیں ہیں، ہم انتہائی اختصار کے ساتھ بعض حکمتوں کا ذکر کرتے ہیں،

روزہ کی بلند ترین حکمتوں میں سے ایک حکمت یہ ہے کہ یہ اللہ تعالیٰ کی عظیم الشان عبادت ہے، چنانچہ روزہ دار غلبہ شہوت کا قلع قمع کرتے ہوئے مکمل خشوع وخضوع کے ساتھ اپنے رب کی طرف متوجہ ہوتا ہے، اور ظاہر ہے کہ نفس انسانی جب خوب سیر ہو تو اسے مستی سوجھتی ہے {كَلَّآ إِنَّ الْإِنسَانَ لَيَطْغَىٰ۔ أَن رَّآهُ اسْتَغْنَىٰ}

ترجمہ: (سچ مچ انسان تو آپے سے باہر ہو جاتا ہے، اس لئے کہ وہ اپنے آپ کو بے پرواہ (یا تونگر) سمجھتا ہے) (العلق ۶،۷)

لیکن روزہ رکھ کر انسان جب بھوک اور پیاس کی شدت کی بناء پر اپنے عجز وضعف کو ملاحظہ کرتا ہے تو اسے احساس ہوتا ہے کہ نفس کے کبر اور بڑائی کی تو کوئی حقیقت نہیں، نتیجۃً وہ اپنے رب کیلئے بھی مسکین ورقیق القلب ہو جائے گا، اور مخلوقات کیلئے بھی نرم دل۔

روزہ کی اجتماعی حکمت یہ ہے کہ پوری خلق ایک ہی وقت میں ایک عبادت پر مجتمع ہوتی ہے، چنانچہ خواہ کوئی طاقتور ہو یا کمزور، شریف ہو یا وضیع، مالدار ہو یا فقیر سب نے ایک ساتھ ہی روزہ شروع کرنا ہے اور ایک ہی وقت میں افطار کرنا ہے ،سب نے اکٹھے بھوک اور پیاس کی تکلیف کو جھیلنا ہے...... یہ چیز قلوب وارواح میں باہمی ربط، الفت اور محبت پیدا

کرنے کا عظیم سبب بن جائے گی،لوگ ایک دوسرے کے ساتھ شفقت ورحمت کا برتاؤ کرینگے،بالخصوص مالدار کہ جنہیں بھوک اور پیاس برداشت کر کے معاشرہ کے غریب،تباہ حال اور پسے ہوئے اپنے بھائیوں کی بھوک اور پیاس کا احساس ہوگا......وہ یہ بات سوچنے پر مجبور ہوگا کہ وہ بھوک اور پیاس جسے اس نے صرف ایک ماہ مشکل سے برداشت کیا ،اس کا غریب بھائی اور اس کا پورا کنبہ پورا سال برداشت کرتا اور جھیلتا ہے،اس سے یقینا اس کے دل میں سخاوت کا احساس پیدا ہوگا،دلوں کی تفریق،عداوتیں اور رنجشیں دور ہونگی،ان کی جگہ محبت اور بھائی چارہ کی فضاء استوار ہوگی،نتیجۃً تمام طبقاتِ انسانی میں وہ سلامتی رائج ہوجائے گی جو دین اسلام کو مطلوب ہے۔

روزہ کی اخلاقی وتربوی حکمت یہ ہے کہ صبر وتحمل کا درس دیتا ہے،عزیمت وارادہ کو قوت واستحکام بخشتا ہے،مشاکل ومصائب کا حملہ ہو تو خندہ پیشانی سے جھیلنے بلکہ ان کا مقابلہ کر کے انہیں زیر کرنے کی ٹریننگ دیتا ہے۔

روزہ صحتِ انسانی کے تعلق سے بڑی پُرحکمت عبادت ہے:

چنانچہ انسانی معدہ بیماریوں کا گھر ہے اور پرہیز (خلوِ معدہ) تمام دواؤں کی سردار ہے،معدے کو آرام وراحت کا وقفہ چاہئے،کیونکہ بلاناغہ اور مسلسل کھانے پینے کی وجہ سے وہ بری طرح تھکاوٹ کا شکار ہوجاتا ہے،لہذا اس طویل ترین مشقت کے بعد اسے اس کے آرام کا مکمل حصہ دستیاب ہونا چاہیے تاکہ وہ استراحت کے اس وقفہ میں جسم سے زائد فضلات اور فاسد اخلاط کو خارج کر کے،نیز جسم میں جمی ہوئی زائد چربی کو پگھلا کر ازسرِنو ہضمِ طعام کیلئے فعال اور رواں دواں ہوجائے۔"(انتہی بتغییر یسیر)

فرانسیسی ڈاکٹر "کالبا" کی رائے:

"کھانے اور بار بار کھانے سے معدہ کا بھرا رہنا سینکڑوں بیماریوں کے پیدا ہونے کا موجب ہے،میں نے مسلمانوں کا ایک مقولہ سن رکھا ہے: "معدہ بیماریوں کا گھر ہے روزہ کی صورت میں پرہیز اصل علاج ہے" یہ اتنا سنہری اور زریں اصول ہے کہ میں اس انتہائی حکیمانہ قاعدے پر ایک لفظ کا اضافہ نہیں کرسکتا،میرے خیال میں اسلام نے روزہ کی صورت میں دنیا بھر کی طب کا نچوڑ پیش کر دیا ہے۔"(مناہج الشریعۃ الاسلامیۃ ۱/۱۰۲)

امریکی ڈاکٹروں کی رائے:

ایک امریکی ڈاکٹر "بندکیٹ" کی رائے کا خلاصہ یہ ہے کہ مسلسل کھانے پینے سے دل کے اردگرد چربی اور چکنائی جم جاتی

ہے، جبکہ اس کے ازالے اور خاتمے کیلئے
روزہ کا کردار بڑا حیرت انگیز ہے، روزہ تمام داخلی اعضاء کی صحت کی بحالی اور خون کی صفائی
کیلئے ایک مؤثر عامل ہے۔
ایک اور امریکی ڈاکٹر "انبون سٹیکر" کی رائے کے مطابق جو شخص سال میں صرف اکیس روزے مسلسل رکھ لے تو وہ طاقت اور شباب کے اعتبار سے دس سال پیچھے لوٹ جاتا ہے۔

ایک ضروری تنبیہ :

صحتِ انسانی کے تعلق سے روزہ کی اس حکمت سے وہی لوگ کما حقہ مستفید ہو سکتے ہیں جو افطاری اور سحری کے موقعہ پر کم اور سادہ خوراک پر انحصار کرتے ہیں، اگر ایک شخص دن بھر فاقہ برداشت کرنے کے بعد شام کو افطاری کیلئے انواع واقسام کے کھانوں سے دسترخوان بھر لے اور پھر یوں ٹوٹ پڑے کہ کھانا کم اور ٹھونسنا زیادہ محسوس ہو رہا ہو، اسی طرح سحری کے کھانے پر یوں طبع آزمائی کر رہا ہو کہ گویا وہ زندگی کا آخری کھانا کھا رہا ہے، تو وہ مذکورہ عظیم الشان حکمت سے قطعاً مستفید نہیں ہوسکتا۔

دوسری تنبیہ :

واضح ہو کہ روزہ ایک عبادت ہے اور اس کا مقصد، اول وآخر اللہ تعالیٰ کی رضاء جوئی ہے، جن حکمتوں کا ذکر ہوا یہ سب ثانوی مقاصد یا فوائد ہیں جو اسرارِ صوم کے طور پر پیش کیئے جاسکتے ہیں۔
واضح ہو کہ روزے کے اسرار وحکم بہت طویل ہیں، ہم اس مختصر سے رسالہ میں اسی قدر پر اکتفاء کرتے ہیں اور اس بحث کو اللہ تعالیٰ کے اس فرمان کو نقل کر کے سمیٹتے ہیں:

{قُلْ أَنْزَلَهُ الَّذِيْ يَعْلَمُ السِّرَّ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضِ إِنَّهُ كَانَ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا} (الفرقان:٦)

ترجمہ : (کہہ دیجئے اسے تو اس اللہ نے اتارا ہے جو آسمانوں اور زمین کی تمام پوشیدہ باتوں کو جانتا ہے، بے شک وہ بڑا ہی بخشنے والا مہربان ہے)
گویا اللہ تعالیٰ ہر چیز کے اسرار وحکم کو جانتا ہے، اگر وہ کسی چیز کا حکم دیتا ہے تو دنیا وآخرت میں اس کی افادیت ومنفعت کے تعلق سے اس کے اسرار ورموز جانتا ہے، تب ہی اس عمل کے انجام دینے کا حکم ارشاد فرماتا ہے...... اور اگر کسی چیز

سے روکتا ہے تو دنیاوآخرت میں اس کے اضرار ومفاسد کے تعلق سے اس کے اسرار سے واقف ہوتا ہے، تب ہی اس چیز سے بچنے اور دور رہنے کا حکم ارشاد فرماتا ہے، لہٰذا اس نے ہمیں روزے کا حکم دیا، خوب تاکید فرمائی اور خوب اہتمام کا امر فرمایا اس لئے کہ وہ روزے کی حکمتوں اور دنیاوآخرت میں اس کی منفعتوں سے خوب واقف اور باخبر ہے، ہمارا کام صرف اس کے امر کی تنفیذ ہے۔

روزہ کے فضائل کس طرح حاصل کیئے جائیں:

گذشتہ صفحات میں روزہ کے فضائل، فوائد، محاسن اور بے شمار اجر وثواب کا ذکر ہوا، اب سوال یہ ہے کہ ایک روزہ دار کس طرح بھرپور طریقے سے یہ تمام فضائل سمیٹ سکتا ہے؟ اس سوال کا بلکہ ہمارے لئے ہر سوال کا جواب اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان ہے: {لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِي رَسُولِ اللهِ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ} (الاحزاب ۲۱:)

(تمہارے لئے ہر معاملہ میں بہترین نمونہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں)

گویا روزہ جیسی انتہائی وقیع اور مُہتم بالشان عبادت سے بھرپور فائدہ اٹھانے کیلئے ضروری ہے کہ ہم روزہ کی حالت میں انہی امور پر توجہ مرکوز رکھیں جو رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اسوۂ حسنہ سے ثابت ہیں، ان امور میں کثرتِ ذکر، تلاوتِ قرآن، صدقہ وسخاوت، کثرتِ دعاء اور قیام اللیل وغیرہ قابل ذکر ہیں، اس کے ساتھ ساتھ ضروری ہے کہ ہر بڑے اور چھوٹے گناہ سے مکمل احتراز واجتناب کیا جائے۔ ہم ان امور کو قدرے تفصیل سے بیان کرتے ہیں۔

روزہ اور تلاوتِ قرآن:

یہ بات معلوم ہے کہ قرآنِ حکیم کا لوحِ محفوظ سے نزول رمضان کے مہینہ میں ہوا تھا بقولہ تعالیٰ: {شَهْرُ رَمَضَانَ الَّذِيَ أُنْزِلَ فِيهِ الْقُرْآنُ} اور یہ نزول رمضان کی بابرکت رات لیلۃ القدر میں ہوا تھا بقولہ تعالیٰ: {إِنَّا أَنْزَلْنَاهُ فِي لَيْلَةِ الْقَدْرِ}

وبقولہ تعالیٰ: {إِنَّا أَنْزَلْنَاهُ فِي لَيْلَةٍ مُّبَارَكَةٍ} اور یہ بات بھی معلوم ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر غارِ حراء میں پہلی وحی کا نزول بھی رمضان کے مہینہ میں ہوا تھا، مسند احمد کی ایک حدیث جو واثلہ بن اسقع کی روایت سے ہے یہ ثابت ہوتا ہے کہ توراۃ، انجیل اور صحف ابراھیمی کا نزول بھی رمضان المبارک میں ہوا، اس سے ثابت ہوا کہ اللہ تعالیٰ کی وحی کا رمضان المبارک کے ساتھ ایک خصوصی تعلق ہے: یہی وجہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جبرائیل علیہ

الصلاۃ والسلام کے ساتھ مکمل قرآنِ حکیم کا رمضان المبارک میں دور کیا کرتے تھے،اور فاطمہ رضی اللہ عنھا کی حدیث کے مطابق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی وفات کے سال دو بار دور کیا(صحیح بخاری ومسلم) عبد اللہ بن عباس فرماتے ہیں :نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور جبرائیل علیہ الصلاۃ والسلام کے مابین یہ دور ماہِ رمضان کی راتوں میں ہوتا

رمضان میں تلاوتِ قرآن کی اہمیت:

عن عبد الله بن عمرو رضي الله عنهما: أن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال: [الصيام والقرآن يشفعان للعبد يوم القيامة يقول الصيام: أي رب منعته الطعام والشهوة فشفعني فيه،ويقول القرآن: منعته النوم بالليل فشفعني فيه،قال: فيشفعان]

(رواہ احمد والطبرانی والحاکم،وقال صحیح علی شرط مسلم)

ترجمہ: عبد اللہ بن عمرو رضی اللہ عنھما سے مروی ہے،رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا :[روزہ اور قرآن مل کر قیامت کے دن بندے کی شفاعت کرینگے،روزہ کہے گا: اے اللہ! میں نے اسے کھانے پینے اور شھواتِ نفس سے روکا تھا،لہذا اس کے بارہ میں میری سفارش قبول فرما۔قرآن کہے گا: اے اللہ! میں نے اسے راتوں کو سونے سے روکا تھا،لہذا اس کے بارہ میں میری شفاعت قبول فرما۔رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا : دونوں کی شفاعت قبول کر لی جائیگی]

ثابت ہوا کہ رمضان میں تلاوتِ قرآن کو خصوصی اہمیت حاصل ہے،تلاوتِ قرآن دن میں بھی ہو لیکن راتوں میں زیادہ اہتمام ہو جیسا کہ عبد اللہ بن عمرو کی مذکورہ حدیث اور عبد اللہ بن عباس کے مذکورہ اثر سے ثابت ہو رہا ہے ۔راتوں کو تلاوت کی زیادہ اہمیت اس لئے ہے کہ یہ کام کاج سے فراغت کا وقت ہوتا ہے اور دل غور وفکر اور تدبر وغیرہ پر مجتمع ہوتا ہے،اسی لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم رمضان کی راتوں میں نسبتاً لمبا قیام کیا کرتے تھے چنانچہ حذیفہ بن یمان رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے کہ انہوں نے رمضان کی ایک رات نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ قیام کیا،آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس رات سورۃ البقرۃ،آل عمران اور سورۃ النساء کی تلاوت فرمائی،حتی کہ بلال رضی اللہ عنہ نے آپ(صلی اللہ علیہ وسلم) کو نمازِ فجر کا وقت قریب ہونے کی اطلاع دی۔

(مسند احمد،سنن نسائی)

سلف صالحین رمضان کے مہینہ میں تلاوتِ قرآن کا خوب اہتمام کیا کرتے تھے بعض سلف صالحین سے رمضان کے ہر

تیسرے دن قرآن ختم کرنے کا ذکر ملتا ہے، جبکہ بعض اس سے بھی کم وقت میں ختم کیا کرتے تھے، قتادۃ بن دعامۃ، عام دنوں میں ہر ساتویں دن اور رمضان میں ہر تیسرے دن قرآنِ مجید ختم کرلیا کرتے تھے، امام زہری جب بھی رمضان کا مہینہ آتا فرماتے : تلاوتِ قرآن اور اطعامِ طعام (غریبوں کو کھانا کھلانے) کا مہینہ آگیا، امام ابوحنیفہؒ رمضان کے مہینے میں اکسٹھ (۶۱) قرآن پاک ختم فرماتے تھے، امام مالک رحمہ اللہ پورا سال تدریس حدیث میں مشغول رہتے لیکن جب رمضان کا مہینہ شروع ہوجاتا تو حدیث کے دفاتر سمیٹ کر مصحف سے ہر وقت تلاوت کرتے رہتے، سفیان ثوری رمضان کے مہینہ میں دیگر عبادات کو چھوڑ کر قرآنِ حکیم کی تلاوت پر پوری توجہ صرف کردیا کرتے، عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنھا رمضان کے مہینہ میں فجر کی نماز کے بعد طلوعِ آفتاب تک تلاوت کیا کرتی تھیں۔

رمضان اور صدقہ وسخاوت :

رمضان المبارک صدقہ اور سخاوت کا مہینہ ہے،

عن ابن عباس رضی الله عنهما، قال: [كان النبي صلى الله عليه وسلم أجود الناس، وكان أجود ما يكون في رمضان حين يلقاه جبريل فيدارسه القرآن، وكان جبريل يلقاه في كل ليلة من رمضان فيدارسه القرآن، فلرسول الله صلى الله عليه وسلم حين يلقاه جبريل أجود بالخير من الريح المرسلة]

ترجمہ : عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنھما سے مروی ہے، فرماتے ہیں : [رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سب سے بڑے سخی تھے اور سب سے زیادہ سخاوت آپ صلی اللہ علیہ وسلم رمضان المبارک میں کیا کرتے تھے، جبکہ جبرئیل علیہ الصلاۃ والسلام آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے ملکر قرآن کا دور کیا کرتے تھے، اور جبرئیل علیہ الصلاۃ والسلام آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے رمضان کی ہر رات ملتے اور قرآن کا دور کرتے، اس کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تیز رفتار آندھی سے بڑھ کر سخاوت کیا کرتے تھے]
(بخاری ومسلم)

مسند احمد کی ایک حدیث میں یہ بھی مذکور ہے کہ [آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے جس چیز کا سوال کیا جاتا دے دیتے تھے۔]

صحیح بخاری ومسلم میں انس بن مالک رضی اللہ عنہ کی ایک روایت میں ہے کہ [رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سب سے خوبصورت، سب سے بہادر اور سب سے سخی تھے]

صحیح مسلم میں انس بن مالک ہی کی ایک حدیث ہے کہ [ایک شخص نے اسلام قبول کیا اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے دو پہاڑوں کے درمیان موجود بے شمار بکریوں کا سوال کیا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے وہ تمام بکریاں اسے عطا فرمادیں، وہ

خوشی خوشی اپنی قوم میں لوٹا اور کہا اے قوم تم سب اسلام قبول کرلو کیونکہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم اتنا کچھ دے دیتے ہیں کہ کوئی اندیشۂ فقر نہیں رہتا۔]

صحیح مسلم ہی میں ہے، کہ [رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جنگِ حنین کے موقع پر صفوان بن امیہ کو سو اونٹ دیئے، جس پر صفوان کہہ اٹھا: اتنی سخاوت تو ایک نبی ہی کرسکتا ہے]

ایک اور حدیث میں ہے کہ [رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک خاردار وادی سے گزرے اور فرمایا : اگر میرے پاس اس وادی کے کانٹوں کے برابر اونٹ ہوتے تو میں سب کے سب تم میں بانٹ دیتا]

(بخاری ومسلم)

ایک اور حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان موجود ہے کہ [اگر اللہ تعالیٰ میرے لئے اُحد پہاڑ سونے کا بنا دے تو میں تین دن کے اندر سب کا سب تقسیم کردوں۔]

جس نبی (صلی اللہ علیہ وسلم) کی عام دنوں میں سخاوت کا یہ حال ہے، رمضان المبارک میں اس کی سخاوت کی کیفیت کیا ہوگی؟

واضح ہو کہ رمضان المبارک میں صدقہ وسخاوت کا خصوصی اجر ہے، مسند احمد، سنن نسائی اور جامع ترمذی وغیرہ میں زید بن خالد کی روایت سے ایک صحیح حدیث مروی ہے، نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

[من فطر صائما فله مثل أجره من غير أن ينقص من أجر الصائم شئ] یعنی جو کسی روزہ دار کا روزہ افطار کرائے گا اسے اس کے روزے کا مکمل اجر دیا جائے گا، اس طرح کہ اس روزہ دار کے اجر میں کوئی کمی نہیں کی جائے گی] یہی حدیث طبرانی میں اُم المؤمنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے، اس میں ان الفاظ کا اضافہ بھی موجود ہے، [روزہ دار کے جسم میں جب تک اس کھانے کی قوت موجود رہے گی اس کے تمام اعمالِ صالحہ کا اسے اجر ملتا رہے گا]

رمضان المبارک میں جود وسخاوت کی زیادہ فضیلت کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ چونکہ رمضان، اللہ تعالیٰ کی رحمتوں کا مہینہ ہے، یہ رحمتیں ان بندوں پر اور زیادہ نازل ہوتی ہیں جو اپنے بھائیوں کے ساتھ رحمت وشفقت کا برتاؤ کریں، اس کی دلیل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ حدیث ہے

:[إنما يرحم الله من عباده الرحماء] بے شک اللہ تعالیٰ اپنے ان بندوں پر خوب رحمتیں نازل فرماتا ہے جو اس کے بندوں کیلئے رحم دل ہوتے ہیں۔
(صحیح بخاری ومسلم)

ایک حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ روزہ اور صدقہ کا جمع ہونا جنت کو واجب کر دیتا ہے، چنانچہ جامع ترمذی میں جنابِ علی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:[إن في الجنة غرفا يرى ظهورها من بطونها وبطونها من ظهورها] قالوا :لمن هي يا رسول الله صلى الله عليه وسلم ؟قال:[لمن طيب الكلام وأطعم الطعام وأدام الصيام وصلى بالليل والناس نيام] یعنی [جنت میں بہت سے ایسے کمرے بنے ہوئے ہیں جن کے اندر سے باہر کا حصہ اور باہر سے اندر کا حصہ نظر آئے گا۔ صحابہ نے پوچھا: یہ کمرے کن کیلئے ہیں؟ فرمایا: جو اچھی گفتگو کریں، غریبوں کو کھانا کھلائیں، روزے رکھتے رہیں اور رات کو جب لوگ سو چکیں تو وہ نماز پڑھنا شروع کر دیں۔] اس سے ثابت ہوا کہ رمضان کے مہینہ میں صدقہ کرنا، موجباتِ جنت میں سے ہے، اس کے ساتھ ساتھ اچھی گفتگو اور قیام اللیل کا اہتمام بھی ہونا چاہیئے۔

اسی لئے صحیح مسلم میں بروایتِ ابوھریرۃ رضی اللہ عنہ ایک حدیث ہے: [ایک مرتبہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا : آج کس کا روزہ ہے؟ ابوبکر الصدیق رضی اللہ عنہ نے فرمایا: میرا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا: آج اپنے کسی بھائی کے جنازہ میں کون شریک ہوا؟ ابوبکر نے عرض کیا: میں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پھر پوچھا؟ آج کسی مسکین کو کس نے کھانا کھلایا؟ ابوبکر نے کہا: میں نے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پھر پوچھا : آج تم میں سے کس نے کسی مریض کی بیمار پرسی کی؟ ابوبکر نے پھر کہا: میں نے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا : جو شخص ایک ہی دن میں یہ تمام کام انجام دیدے، وہ ضرور جنت میں داخل ہوگا]

رمضان میں صدقہ وسخاوت کا ایک فائدہ یہ بھی ہے کہ چونکہ رمضان میں گناہوں سے پاک صاف ہونا ضروری ہے اور جو شخص رمضان کو پالینے کے باوجود اپنے گناہ نہ بخشوا سکا وہ مستحق لعنت ہے، جیسا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث ہے

روزہ کی طرح صدقہ کا بھی گناہوں کی بخشش سے بڑا گہرا تعلق ہے، جامع ترمذی اور مسندِ احمد وغیرہ میں ایک صحیح حدیث

کے الفاظ ہیں: [الصدقة تطفئ الخطيئة كما يطفئ الماء النار] یعنی [صدقہ گناہوں کو اس طرح مٹاڈالتا ہے جیسے پانی آگ کو بجھا دیتا ہے۔]

اسی لئے نبی صلی اللہ علیہ وسلم فرمایا کرتے تھے: [جہنم سے بچ جاؤ خواہ آدھی کھجور خرچ کر کے]

صحابی رسول ابوالدرداء رضی اللہ عنہ فرمایا کرتے تھے: [قبر کے اندھیروں کو دور کرنے کیلئے رات کے اندھیروں میں دو نفل پڑھ لیا کرو، روزِ قیامت کی شدید ترین گرمی سے بچنے کیلئے دنیا کے گرم دنوں میں روزہ رکھ لیا کرو، روزِ قیامت کے مشکل ترین دن کے شر کو ٹالنے کیلئے صدقہ دے دیا کرو]

رمضان المبارک میں صدقہ اور سخاوت کا ایک فائدہ یہ بھی ہے کہ روزے میں پیدا ہونے والا نقص یا خلل صدقہ کی برکت سے دور ہو جائے گا، اسی حکمت کے تحت رمضان کے آخر میں صدقۃ الفطر ادا کرنے کا حکم دیا گیا ہے، اور یہ بات معلوم ہے کہ عمومی صدقات کی گناہوں کی بخشش میں ایک خاص تاثیر ہے، یہی وجہ ہے کہ بہت سے گناہوں مثلاً: جھوٹی قسم، احرام کے محظورات کا ارتکاب اور بحالتِ روزہ بیوی سے مجامعت وغیرہ کا کفارہ صدقہ (یعنی اطعام طعام) قرار دیا گیا، جو مریض یا حاملہ اور مرضعہ عورت (دودھ پلانے والی عورت) روزہ کی استطاعت نہیں رکھتے ان پر بھی بطورِ فدیہ صدقہ یعنی اطعامِ طعام فرض ہے، ان تمام نصوص کی دلالت یہی ہے کہ صدقہ کی گناہوں اور کوتاہیوں کے ازالہ میں ایک خاص تاثیر ہے۔

امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ روزہ سے تھے افطار کیلئے دو روٹیاں تیار کروا کے رکھ لیں، ایک سائل نے آواز لگائی تو وہ روٹیاں اس پر صدقہ کر دیں اور خود پوری رات بستر پہ بھوک کی وجہ سے کروٹیں لیتے رہے اور اگلے دن پھر روزہ رکھ لیا۔ عبداللہ بن مبارک بعض اوقات نفلی روزہ رکھتے اور دوستوں کو بلا کر انواع و اقسام کے کھانے کھلاتے۔ ان پاکیزہ ارواح پر اللہ تعالیٰ اپنی رحمتیں اور سلامتیاں نازل فرمائے۔

امام شافعی رحمہ اللہ فرمایا کرتے تھے: رمضان المبارک میں صدقہ اور سخاوت کی کثرت کی سب سے بڑی وجہ یہ ہے کہ یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت ہے۔

روزہ اور قبولیتِ دعاء:

روزہ کے فضائل میں سے ایک فضیلت یہ ہے کہ یہ عظیم الشان عمل بہت زیادہ قبولیتِ دعاء کا باعث بنتا ہے، شرط یہ ہے کہ روزہ صحیح بنیادوں پر قائم ہو، کیونکہ روزہ اللہ تعالیٰ کے قرب کا ذریعہ ہے، بندہ اپنے عمل کے ذریعے جس قدر اللہ تعالیٰ کے

قریب ہوگا اس سے زیادہ اللہ تعالیٰ اسکے قریب ہوگا۔ایک حدیث قدسی میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے : اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:[ومن تقرب مني شبرا تقربت منه ذراعا ومن تقرب إلى ذراعا تقربت منه باعا، ومن أتاني يمشي أتيته هرولة] یعنی جو شخص ایک بالشت میرے قریب ہوگا میں ایک ہاتھ اس کے قریب ہونگا، اور جو شخص ایک ہاتھ قریب ہوگا میں دو ہاتھ اس کے قریب ہونگا، اور جو میری طرف چل کر آئے گا میں اس کی طرف دوڑ کر جاؤنگا]

(متفق علیہ)

واضح ہو کہ روزہ دار کی دعاء کی مقبولیت پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے فرامین موجود ہیں:

عن أبي هريرة رضي الله عنه قال :قال رسول الله صلى الله عليه وسلم :ثلاثة لا ترد دعوتهم ۔الصائم حتى يفطر، والإمام العادل، ودعوة المظلوم يرفعها الله فوق الغمام، ويفتح لها أبواب السماء ويقول الرب وعزتي لأنصرنك ولو بعد حين]

ابوھریرۃ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:[تین آدمیوں کی دعاء رد نہیں کی جاتی : ایک روزہ دار جب تک وہ افطار نہ کرلے، دوسرا عادل حکمران، تیسرا مظلوم شخص، جس کی دعا اللہ تعالیٰ بادلوں کے اوپر اٹھالیتا ہے اور اس کیلئے آسمانوں کے دروازے کھول دیتا ہے، اور فرماتا ہے: مجھے اپنی عزت کی قسم، میں تیری مدد ضرور کرونگا، خواہ کچھ وقت گزرنے کے بعد کروں] (اس حدیث کو ترمذی نے روایت کیا اور اسے حسن قرار دیا)

ایک اور حدیث ملاحظہ ہو:

عن عبد الله بن عمرو بن العاص رضي الله عنهما يقول :قال رسول الله صلى الله عليه وسلم :[إن للصائم عند فطره لدعوة ما ترد](رواه ابن ماجه ۱۷۵۳)

عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہما سے مروی ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:[افطار کے وقت روزہ دار کی دعاء رد نہیں کی جاتی]

رمضان المبارک کا قبولیتِ دعاء سے کتنا گہرا تعلق ہے، اس کا اندازہ اس ترتیب سے ہوتا ہے جو اللہ رب العزت نے قرآنِ حکیم میں قائم فرمائی، چنانچہ سورۃ البقرۃ میں جہاں روزہ کے احکام بیان فرمائے تو عین وسط میں اس آیتِ کریمہ کا تذکرہ فرمایا:

{وَإِذَا سَأَلَكَ عِبَادِي عَنِّي فَإِنِّي قَرِيبٌ أُجِيبُ دَعْوَةَ الدَّاعِ إِذَا دَعَانِ فَلْيَسْتَجِيبُوا لِي وَلْيُؤْمِنُوا بِي لَعَلَّهُمْ يَرْشُدُونَ}(البقرۃ:۱۸۶)

ترجمہ: (جب میرے بندے میرے بارے میں آپ سے سوال کریں تو آپ کہہ دیں کہ میں بہت ہی قریب ہوں، ہر پکارنے والے کی پکار کو جب بھی وہ مجھے پکارے، قبول کرتا ہوں اس لئے لوگوں کو بھی چاہئے کہ وہ میری بات مان لیا کریں اور مجھ پر ایمان رکھیں)

اس آیتِ کریمہ سے قبل بھی روزے کے کچھ احکام ومسائل ہیں اور بعد میں بھی۔

یہ اس بات کی دلیل ہے کہ روزے کی قبولیتِ دعاء میں خصوصی تاثیر ہے، لہذا روزہ داروں کو دعاء کا خاص اہتمام کرنا چاہئے۔

واضح ہو کہ دعاء کے کچھ آداب وشرائط ہیں انہیں ضرور ملحوظ رکھا جائے، جن میں سے کچھ امور درجِ ذیل ہیں:

(۱) اللہ تعالیٰ سے دعاء کی جائے، غیر اللہ (خواہ وہ نبی ہو یا فرشتہ یا کوئی بھی چیز) سے دعاء کرنا شرک ہے،

(۲) دعاء کرنے والا ظاہری وباطنی طہارت پر قائم ہو۔

(۳) قبلہ رُخ ہو۔

(۴) ایسے اوقات میں دعاء کی کوشش کرے جن میں قبولیت منصوص ہے، وہ اوقات یہ ہیں: رات کا آخری تہائی حصہ، اذان کے وقت، اذان واقامت کے درمیان، بارش کے نزول کے وقت، روزہ کے افطار کے وقت، سجدہ میں، تشہدِ اخیر کے آخر میں سلام پھیرنے سے قبل، نماز کے بعد، اس وقت جب امام خطبہ جمعہ کیلئے منبر پر چڑھے، جمعہ کے دن عصر کے بعد (بالخصوص آخری گھڑیوں میں)، دورانِ سفر (بشرطیکہ وہ سفرِ اطاعت ہو) اور دورانِ جہاد وغیرہ۔

(۵) دعاء کے وقت حضورِ قلب؛ کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے: [اللہ تعالیٰ غافل دل کی دعاء قبول نہیں فرماتا۔

(۶) اللہ تعالیٰ کے سامنے خشوع وخضوع اور ذلت وانکساری کا اظہار ہو۔

(۷) دعاء کے شروع، وسط اور آخر میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر درود پڑھا جائے۔

(۸) اللہ تعالیٰ کی حمد وثناء، اور اسکے مقابلے میں اپنی کوتاہیوں کا اعتراف۔

(۹) مسنون اور ماثور دعاؤں کا انتخاب۔

(۱۰) دعاء میں اعتداء نہ ہو، دعاء میں اعتداء قیامت کی علامت ہے، اعتداء سے مراد ایسی دعاء جس میں خلافِ شریعت امور ہوں، مثلاً: کسی گناہ کی طلب، قطع رحمی، کسی ناممکن چیز کی دعاء، اپنے لئے کوئی ایسی چیز طلب کر بیٹھے جس کے وہ لائق نہیں ہے، مثلاً: رتبہ نبوت یا فرشتہ بنائے جانے کی دعاء وغیرہ۔

(۱۱) دورانِ دعاء توبہ واستغفار کرتا رہے، یہ اللہ تعالیٰ کی خوشی کا باعث ہے نتیجۃً دعاء کی قبولیت کا سبب۔

(۱۲) رزقِ حلال پر اکتفاء، حرام روزی دعاء کی قبولیت سے مانع ہے، اس پر نصوص موجود ہیں۔

(۱۳) دعاء سے قبل کوئی نیک عمل کرلیا جائے، مثلاً: صدقہ، نفل، تلاوتِ قرآن وغیرہ

(۱۴) ایسے مقامات پر جا کر دعاء کی جائے جن کی افضلیت شریعت سے ثابت ہے، مثلاً: مسجدِ حرام، مسجدِ نبوی اور مسجدِ اقصیٰ وغیرہ۔

(۱۵) دعاء کی قبولیت میں عجلت یا تاخیر کی صورت میں اکتاہٹ کا اظہار نہ کرے۔

(۱۶) اللہ تعالیٰ کے ساتھ ثقہ اور اسکی ذات پر توکل کا تقاضا یہ ہے کہ دعاء کرنے کے بعد قبولیتِ دعاء کا یقین کرلے۔

(۱۷) اپنے نیک اعمال کے وسیلے سے دعاء کرے۔ (دلیل: حدیثِ غار)

(۱۸) دعاء میں اللہ تعالیٰ کے اسماء وصفات کا وسیلہ اختیار کرے۔

روزے سے متعلق اہم مسائل

روزہ کی نیت:

نیت کہتے ہیں دل کے قصد وارادہ کو، زبان سے کچھ کہے یا نہ کہے۔

روزہ کے لیے نیت شرط ہے، اگر روزہ کا ارادہ نہ کیا اور تمام دن کچھ کھایا پیا نہیں تو روزہ نہ ہوگا۔

مسئلہ: رمضان کے روزے کی نیت رات سے کرلینا بہتر ہے اور رات کو نہ کی ہو تو دن کو بھی زوال سے ڈیڑھ گھنٹہ پہلے تک کرسکتا ہے؛ بشرطیکہ کچھ کھایا پیا نہ ہو۔

جن چیزوں سے روزہ ٹوٹ جاتا ہے:

(۱) کان اور ناک میں دوا ڈالنا، (۲) قصداً منہ بھر قے کرنا، (۳) کلی کرتے ہوئے حلق میں پانی چلا جانا، (۴) عورت کو چھونے وغیرہ سے انزال ہوجانا، (۵) کوئی ایسی چیز نگل جانا جو عادۃً کھائی نہیں جاتی، جیسے لکڑی، لوہا، کچا گیہوں کا دانہ

وغیرہ،(۶)لوبان یا عود وغیرہ کا دھواں قصداً ناک یا حلق میں پہنچانا، بیڑی، سگریٹ، حقہ پینا اسی حکم میں ہیں،(۷) بھول کر کھا پی لیا اور یہ خیال کیا کہ اس سے روزہ ٹوٹ گیا ہوگا پھر قصداً کھا پی لیا،(۸) رات سمجھ کر صبح صادق کے بعد سحری کھالی،(۹) دن باقی تھا؛ مگر غلطی سے یہ سمجھ کر کہ آفتاب غروب ہوگیا ہے، روزہ افطار کرلیا۔

تنبیہ :ان سب چیزوں سے روزہ ٹوٹ جاتا ہے، مگر صرف قضا واجب ہوتی ہے، کفارہ لازم نہیں ہوتا۔

(۱۰) جان بوجھ کر بھولنے کے بغیر زوجہ سے صحبت کرنے یا کھانے پینے سے روزہ ٹوٹ جاتا ہے اور قضا بھی لازم ہوتی ہے اور کفارہ بھی۔

روزے کا کفارہ:

کفارہ یہ ہے کہ ایک غلام آزاد کرے ورنہ ساٹھ روزے متواتر رکھے، بیچ میں ناغہ نہ ہو ورنہ پھر شروع سے ساٹھ روزے پورے کرنے پڑیں گے اور اگر روزہ کی بھی طاقت نہ ہو تو ساٹھ مسکینوں کو دونوں وقت پیٹ بھر کر کھانا کھلا دے۔آج کل شرعی غلام یا باندی کہیں نہیں ملتے؛ اس لیے آخری دو صورتیں متعین ہیں۔

وہ چیزیں جن سے روزہ ٹوٹتا نہیں؛ مگر مکروہ ہوجاتا ہے:

(۱) بلاضرورت کسی چیز کو چبانا یا نمک وغیرہ چکھ کر تھوک دینا، ٹوتھ پیسٹ یا منجن یا کوئلہ سے دانت صاف کرنا بھی روزہ میں مکروہ ہیں۔

(۲) تمام دن حالت جنابت میں بغیر غسل کیے رہنا۔

(۳) فصد کرانا کسی مریض کے لیے اپنا خون دینا جو آج کل ڈاکٹروں میں رائج ہے یہ بھی اس میں داخل ہے۔

(۴) غیبت یعنی کسی کی پیٹھ پیچھے اس کی برائی کرنا یہ ہر حال میں حرام ہے، روزہ میں اس کا گناہ اور بڑھ جاتا ہے۔

(۵) روزہ میں لڑنا جھگڑنا، گالی دینا خواہ انسان کو ہو یا کسی بے جان چیز کو یا جاندار کو، ان سے بھی روزہ مکروہ ہوجاتا ہے۔

وہ چیزیں جن سے روزہ نہیں ٹوٹتا اور مکروہ بھی نہیں ہوتا!

(۱) مسواک کرنا۔(۲) سر یا مونچھوں پر تیل لگانا۔(۳) آنکھوں میں دوا، یا سرمہ ڈالنا۔(۴) خوشبو سونگھنا۔(۵) گرمی اور پیاس کی وجہ سے غسل کرنا۔(۶) کسی قسم کا انجکشن یا ٹیکہ لگوانا۔(۷) بھول کر کھانا پینا۔(۸) حلق میں پانی ڈالنا یا بلا قصد چلا جانا۔(۱۰) خود بخود قے آجانا۔(۱۱) سوتے ہوئے احتلام (غسل کی حاجت) ہوجانا۔(۱۲) دانتوں میں سے خون

نکلے؛ مگر حلق میں نہ جائے تو روزہ میں خلل نہیں آیا۔ (۱۳) اگر خواب میں یا صحبت سے غسل کی حاجت ہوگئی اور صبح صادق ہونے سے پہلے غسل نہیں کیا اور اسی حالت میں روزہ کی نیت کرلی تو روزہ میں خلل نہیں آیا۔

وہ عذر جن سے رمضان میں روزہ نہ رکھنے کی اجازت ہوتی ہے:

(۱) بیماری کی وجہ سے روزہ کی طاقت نہ ہو، یا مرض بڑھنے کا شدید خطرہ ہو تو روزہ نہ رکھنا جائز ہے، بعد رمضان اس کی قضا لازم ہے۔

(۲) جو عورت حمل سے ہو اور روزہ میں بچہ کو یا اپنی جان کو نقصان پہنچنے کا اندیشہ ہو تو روزہ نہ رکھے، بعد میں قضا کرے۔

(۳) جو عورت اپنے یا کسی غیر کے بچہ کو دودھ پلاتی ہے، اگر روزہ سے بچہ کو دودھ نہیں ملتا، تکلیف پہنچتی ہے تو روزہ نہ رکھے پھر قضا کرے۔

(۴) مسافر شرعی (جو کم از کم اڑتالیس میل کے سفر کی نیت پر گھر سے نکلا ہو) اس کے لیے اجازت ہے کہ روزہ نہ رکھے، پھر اگر کچھ تکلیف ودقت نہ ہو تو افضل یہ ہے کہ سفر ہی میں روزہ رکھ لے اگر خود اپنے آپ کو یا اپنے ساتھیوں کو اس سے تکلیف ہو تو روزہ نہ رکھنا ہی افضل ہے۔

(۵) بحالت روزہ سفر شروع کیا تو اس روزہ کا پورا کرنا ضروری ہے اور اگر کچھ کھانے پینے کے بعد سفر سے وطن واپس آگیا تو باقی دن کھانے پینے سے احتراز کرے، اور اگر ابھی کچھ کھایا پیا نہیں تھا کہ وطن میں ایسے وقت واپس آگیا جب کہ روزہ کی نیت ہوسکتی ہو یعنی زوال سے ڈیڑھ گھنٹہ قبل تو اس پر لازم ہے کہ روزہ کی نیت کرلے۔

(۶) کسی کو قتل کی دھمکی دے کر روزہ توڑنے پر مجبور کیا جائے تو اس کے لیے توڑ دینا جائز ہے پھر قضا کرلے۔

(۷) کسی بیماری یا بھوک پیاس کا اتنا غلبہ ہو جائے کہ کسی مسلمان دیندار ماہر طبیب یا ڈاکٹر کے نزدیک جان کا خطرہ لاحق ہو تو روزہ توڑ دینا جائز؛ بلکہ واجب ہے اور پھر اس کی قضا لازم ہوگی۔

(۸) عورت کے لیے ایام حیض میں اور بچہ کی پیدائش کے بعد جو خون آتا ہے یعنی نفاس اس کے دوران میں روزہ رکھنا جائز نہیں۔ ان ایام میں روزہ نہ رکھے بعد میں قضا کرے۔ بیمار، مسافر، حیض ونفاس والی عورت جن کے لیے رمضان میں روزہ رکھنا اور کھانا پینا جائز ہے ان کو بھی لازم ہے کہ رمضان کا احترام کریں، سب کے سامنے کھاتے پیتے نہ پھریں۔

روزہ کی قضا

(۱) کسی عذر سے روزہ قضا ہوگیا تو جب عذر جاتا رہے جلد ادا کرلینا چاہیے۔ زندگی اور طاقت کا بھروسہ نہیں، قضا روزوں میں اختیار ہے کہ متواتر رکھے یا ایک ایک دو دو کرکے رکھے۔

(۲) اگر مسافر سفر سے لوٹنے کے بعد یا مریض تندرست ہونے کے بعد اتنا وقت نہ پائے کہ جس میں قضا شدہ روزے ادا کرے تو قضا اس کے ذمہ لازم نہیں۔ سفر سے لوٹنے اور بیماری سے تندرست ہونے کے بعد جتنے دن ملیں، اتنے ہی کی قضا لازم ہوگی۔

سحری

روزہ دار کو آخر رات میں صبح صادق سے پہلے پہلے سحری کھانا مسنون اور باعثِ برکت وثواب ہے۔ نصف شب کے بعد جس وقت بھی کھائیں سحری کی سنت ادا ہوجائے گی؛ لیکن بالکل آخر شب میں کھانا افضل ہے۔ اگر مؤذن نے صبح سے پہلے اذان دے دی تو سحری کھانے کی ممانعت نہیں؛ جب تک صبح صادق نہ ہوجائے۔ سحری سے فارغ ہوکر روزہ کی نیت دل میں کرلینا کافی ہے اور زبان سے بھی یہ الفاظ کہہ لے تو اچھا ہے،

بِصَوْمِ غَدٍ نَّوَيْتُ مِنْ شَهْرِ رَمَضَانَ

(ماخوذ از فتاوی دار العلوم دیوبند)

اِفطاری

آفتاب کے غروب ہونے کا یقین ہوجانے کے بعد افطار میں دیر کرنا مکروہ ہے، ہاں جب اَبر وغیرہ کی وجہ سے اشتباہ ہو تو دو چار منٹ انتظار کرلینا بہتر ہے اور تین منٹ کی احتیاط بہر حال کرنا چاہیے۔

کھجور اور خرما سے افطار کرنا افضل ہے اور کسی دوسری چیز سے افطار کریں تو اس میں بھی کوئی کراہت نہیں، افطار کے وقت یہ دُعا مسنون ہے،

اَللّٰهُمَّ لَكَ صُمْتُ وَعَلَى رِزْقِكَ اَفْطَرْتُ.

(ترجمہ) "اے اللہ! میں نے تیرے لئے روزہ رکھا اور تیرے ہی دیے ہوئے رزق پر افطار کی۔" (ابو داود، السنن، کتاب الصوم، باب القول عند ال إفطار، 2:294، رقم 2358 :)

ااور افطار کے بعد یہ دعا پڑھے

(ذَهَبَ الظَّمَأُ وَابْتَلَّتِ الْعُرُوقُ وَثَبَتَ الْأَجْرُ إِنْ شَاءَ اللّٰهُ)[سنن ابی داود۔ 278/2.

ترجمہ: پیاس چلی گئی اور رگیں تر ہوگئیں اور اللہ نے چاہا تو اجر وثواب قائم ہوگیا۔

تراویح

تراویح کے فضائل ومسائل؛

رمضان شریف کا مہینہ عالم روحانیت کا موسم بہار ہے۔ دن کو فرض روزہ رکھنا اور رات کو سنت تروایح ادا کرنا اس مبارک مہینہ کی مخصوص عبادات ہیں۔ حدیث مبارک میں ارشاد ہے:

شَهْرٌ كَتَبَ اللّٰهُ عَلَيْكُمْ صِيَامَهٗ وَسَنَنْتُ لَكُمْ قِيَامَهٗ۔)سنن ابن ماجة :ص94، باب ما جاء فی قیام شهر رمضان(

ترجمہ: اس مہینہ کے روزے اللہ تعالیٰ نے تم پر فرض فرمائے ہیں اور میں نے اس کے قیام (تراویح) کو تمہارے لیے سنت قرار دیا ہے۔

اس ماہِ مبارک کی برکات میں سے ایک یہ بھی ہے کہ اس میں ایک نفل کا ثواب فرض کے برابر اور ایک فرض کا ثواب ستر فرائض کے برابر کر دیا جاتا ہے۔)مشکوۃ المصابیح :ج1، ص173(

اس لیے ان مبارک گھڑیوں کو غنیمت سمجھا جائے اور ایک لمحہ بھی ضائع نہیں ہونے دینا چاہیے شائد آئندہ ہمیں یہ مقدس گھڑیاں نصیب ہوں یا نہ ہوں۔

ام المؤمنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں:

كَانَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا دَخَلَ شَهْرُ رَمَضَانَ شَدَّ مِئْزَرَهٗ، ثُمَّ لَمْ يَأْتِ فِرَاشَهٗ حَتّٰى يَنْسَلِخَ۔

)شعب الایمان للبیهقی :ج3، ص310(

ترجمہ: جب رمضان کا مہینہ آتا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کمر کس لیتے اور اپنے بستر پر تشریف نہ لاتے، یہاں تک کہ رمضان گزر جاتا۔

لیکن جب رمضان کی آخری دس راتیں آتیں تو سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا ہی فرماتی ہے کہ: كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَجْتَهِدُ فِي الْعَشْرِ الْأَوَاخِرِ مَا لَا يَجْتَهِدُ فِي غَيْرِهَا۔)صحیح مسلم :ج1، ص372، باب الاجتهاد فی العشر الاواخر الخ(

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آخری دس دنوں میں جو کوشش فرماتے وہ باقی دنوں میں نہ فرماتے تھے۔

نیز امت کو بھی اس مہینے میں عبادت کی ترغیب دیتے تھے۔حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ روایت فرماتے ہیں:
أَنَّ رَسُولَ اللّٰہِ صَلَّى اللّٰہُ عَلَيْہِ وَسَلَّمَ قَالَ :مَنْ قَامَ رَمَضَانَ إِيمَانًا وَاحْتِسَابًا غُفِرَ لَہُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِہِ۔)صحیح بخاری :ج1،ص10،باب تطوع قیام رمضان من الایمان(

ترجمہ :رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا :جس نے رمضان میں ایمان کے ساتھ ثواب کی نیت سے تراویح پڑھی تو اس کے گزشتہ گناہ معاف کر دیے جائیں گے۔

ان احادیث سے معلوم ہوا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم رمضان المبارک میں خود بھی بکثرت عبادت فرماتے تھے اور امت کو بھی بکثرت عبادت کی ترغیب دیتے تھے۔اس لیے اس ماہ میں زیادہ سے زیادہ جتنی عبادت ہوسکے پوری ہمت اور کوشش سے کرنی چاہیے۔

قیام رمضان:

قیام رمضان (تراویح) آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بیس رکعت فرمایا۔اسی پر حضرات خلفاء راشدین میں سے حضرت عمر رضی اللہ عنہ، حضرت عثمان رضی اللہ عنہ اور حضرت علی رضی اللہ عنہ، دیگر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم، ائمہ مجتہدین و حضرات مشائخ رحمہم اللہ عمل پیرا رہے، بلاد اسلامیہ میں چودہ سو سال سے اسی پر عمل ہوتا رہا ہے اور امت کا اسی پر اجماع ہے ۔آنے والے سطور میں اس کی وضاحت آرہی ہے۔

لفظ تراویح:

حافظ ابن حجر عسقلانی شافعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:وَالتَّرَاوِيحُ جَمْعُ تَرْوِيحَةٍ وَهِيَ الْمَرَّةُ الْوَاحِدَةُ مِنَ الرَّاحَةِ كَتَسْلِيمَةٍ مِنَ السَّلَامِ.)فتح الباری شرح صحیح البخاری ج4ص317(

ترجمہ :تراویح "ترویحہ" کی جمع ہے اور ترویحہ ایک دفعہ آرام کرنے کو کہتے ہیں، جیسے "تسلیمہ" ایک دفعہ سلام کرنے کو کہتے ہیں۔

تراویح کسے کہتے ہیں؟

"ترویحہ" وہ نشست ہے جس میں کچھ راحت لی جائے۔چونکہ تراویح کی چار رکعتوں پر سلام پھیرنے کے بعد کچھ دیر راحت لی جاتی ہے، اس لیے تراویح کی چار رکعت کو ایک "ترویحہ" کہا جانے لگا اور چونکہ پوری تراویح میں پانچ ترویحے ہیں، اس لیے پانچوں کا مجموعہ "تراویح" کہلاتا ہے۔

علامہ حافظ ابن حجر عسقلانی شافعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

سُمِّيَتِ الصَّلٰوةُ فِي الْجَمَاعَةِ فِي لَيَالِي رَمَضَانَ التَّرَاوِيحَ، لِأَنَّهُمْ أول ما اجتمعوا عليها كانوا يستريحون بين كل تسليمتين۔)فتح الباری شرح صحیح البخاری : ج4،ص317(

ترجمہ : جو نماز رمضان کی راتوں میں باجماعت ادا کی جاتی ہے اس کا نام "تراویح" رکھا گیا ہے، اس لیے کہ جب صحابہ کرام رضی اللہ عنہ پہلی بار اس نماز پر مجتمع ہوئے تو وہ ہر دو سلام (چار رکعتوں) کے بعد آرام کیا کرتے تھے۔

تراویح سنت مؤکدہ ہے:

حضور علیہ السلام نے قیام رمضان کو سنت قرار دیا ہے جیسا کہ ابھی باحوالہ گزرا ہے۔ آپ علیہ السلام کے بعد حضرات خلفاء راشدین اور دیگر صحابہ رضی اللہ عنہم نے بھی اس پر مواظبت فرمائی جیسا کہ ہم اس کا بیان کریں گے، اور یہی مواظبت دلیل ہے کہ تراویح سنت مؤکدہ ہے۔ حضرت عرباض بن ساریہ رضی اللہ عنہ حضور علیہ السلام کا یہ ارشاد نقل کرتے ہیں:

فَعَلَيْكُمْ بِسُنَّتِي وَسُنَّةِ الْخُلَفَاءِ الْمَهْدِيِّينَ الرَّاشِدِينَ تَمَسَّكُوا بِهَا وَعَضُّوا عَلَيْهَا بِالنَّوَاجِذِ۔)سنن ابی داؤد: ج2،ص290،باب فی لزوم السنة(

ترجمہ : تم میری سنت کو اور ہدایت یافتہ خلفاء راشدین (رضی اللہ عنہم) کی سنت کو اپنے اوپر لازم پکڑو اور اسے مضبوطی سے تھام لو۔

اس حدیث مبارک میں جہاں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی سنت پر لفظ "علیکم" (تم پر لازم ہے) اور عضوا علیها بالنواجذ (مضبوطی سے تھام لو) سے عمل کرنے کی تاکید فرمائی اسی طرح حضرات خلفاء راشدین رضی اللہ عنہم کی سنت پر بھی عمل کرنے کی تاکید فرمائی جو کہ تراویح کے سنت موکدہ ہونے کی دلیل ہے۔

باجماعت نماز تراویح؛ تین راتیں:

آپ علیہ السلام سے تراویح کی جماعت صرف تین دن ثابت ہے، پورا مہینہ آپ علیہ السلام نے صحابہ رضی اللہ عنہ کو کوئی نماز نہ پڑھائی جیسا کہ احادیث میں اس کی صراحت موجود ہے۔ چنانچہ حضرت ابو ذر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے:

قَالَ صُمْنَا مَعَ رَسُولِ اللّٰهِ-صلى الله عليه وسلم- رَمَضَانَ فَلَمْ يَقُمْ بِنَا شَيْئًا مِنَ الشَّهْرِ حَتّٰى بَقِيَ سَبْعٌ فَقَامَ بِنَا حَتّٰى ذَهَبَ ثُلُثُ اللَّيْلِ فَلَمَّا كَانَتِ السَّادِسَةُ لَمْ يَقُمْ بِنَا فَلَمَّا كَانَتِ الْخَامِسَةُ قَامَ بِنَا حَتّٰى ذَهَبَ شَطْرُ اللَّيْلِ فَقُلْتُ يَا رَسُولَ اللّٰهِ لَوْ نَفَّلْتَنَا قِيَامَ هٰذِهِ اللَّيْلَةِ. قَالَ فَقَالَ » إِنَّ الرَّجُلَ إِذَا صَلّٰى مَعَ الْإِمَامِ حَتّٰى

يَنْصَرِفَ حُسِبَ لَهُ قِيَامُ لَيْلَةٍ. «قَالَ فَلَمَّا كَانَتِ الرَّابِعَةُ لَمْ يَقُمْ فَلَمَّا كَانَتِ الثَّالِثَةُ جَمَعَ أَهْلَهُ وَنِسَاءَهُ وَالنَّاسَ فَقَامَ بِنَا حَتَّى خَشِينَا أَنْ يَفُوتَنَا الْفَلَاحُ.... ثُمَّ لَمْ يَقُمْ بِنَا بَقِيَّةَ الشَّهْرِ.)سنن ابی داؤد ج1ص204, باب فی قیام شھر رمضان(

ترجمہ :فرماتے ہیں کہ ہم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ رمضان کے روزے رکھے،آپ نے پورا مہینہ ہمیں رات میں نماز نہیں پڑھائی یہاں تک کہ سات دن باقی رہ گئے تو (تیئسویں رات میں) آپ نے ہمیں نماز پڑھائی یہاں تک کہ تہائی رات گزرگئی جب چھ دن رہ گئے تو نماز نہیں پڑھائی پھر جب پانچ دن رہ گئے تو نماز پڑھائی (یعنی پچیسویں رات میں) یہاں تک کہ آدھی رات گزرگئی میں نے عرض کی :یارسول اللہ! اگرآپ اس رات کے باقی حصے میں بھی ہمیں نفل پڑھادیتے تو کیا ہی اچھا ہوتا! آپ نے فرمایا :جب کوئی شخص امام کے ساتھ نماز (عشاء) پڑھے پھر اپنے گھر واپس جائے تو اسے پوری رات کے قیام کا ثواب ملے گا۔

حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جب چار دن باقی رہ گئے تو آپ نے ہمیں نماز نہیں پڑھائی،جب تین دن باقی رہ گئے تو آپ نے اپنے گھر والوں،عورتوں اور دیگرلوگوں کو جمع کیا اور نماز پڑھائی (یعنی ستائیسویں رات) اتنی لمبی نماز پڑھائی کہ ہمیں اندیشہ ہونے لگا کہ ہم سے سحری رہ جائے گی،پھر باقی ایام بھی آپ نے ہمیں نماز نہیں پڑھائی۔

تمہید؛

رکعاتِ تراویح سے متعلق حضرت اقدس مولانا نجیب قاسمی سنبھلی مدظلہ العالی نے ماہنامہ دارالعلوم ،شمارہ 7- 8،جلد: 97،رمضان شوال 1434 ہجری مطابق جولائی-اگست 2013ء

کے شمارے میں ایک مضمون لکھا تھا،تبرک کے لئے اسی کو من وعن نقل کیا جاتا ہے۔

نبی اکرم کے ارشادات کی روشنی میں امت مسلمہ کا اتفاق ہے کہ نمازِ تراویح فرض نہیں؛ بلکہ سنت موٴکدہ ہے۔البتہ ۱۴۰۰ سال سے جاری عمل کے خلاف بعض حضرات ۲۰ رکعت نمازِ تراویح کو بدعت یا خلاف سنت قرار دینے میں ہر سال رمضان اور رمضان سے قبل اپنی صلاحیتوں کا بیشتر حصہ صرف کرتے ہیں،جس سے امت مسلمہ کے عام طبقہ میں انتشار پیدا ہوتا ہے؛ حالانکہ اگر کوئی شخص ۸ کی جگہ ۲۰ رکعت پڑھ رہا ہے تو یہ اس کے لیے بہتر ہی تو ہے؛ کیونکہ قرآن وحدیث کی روشنی میں ساری امت مسلمہ متفق ہے کہ رمضان کی راتوں میں زیادہ سے زیادہ عبادت کرنی چاہیے،نیز حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے عہدِ خلافت سے امت مسلمہ جماعت کے ساتھ ۲۰ ہی رکعت تراویح پڑھتی آئی ہے،حرمین (مسجد حرام اور

مسجد نبوی) میں آج تک کبھی بھی ۸ رکعت تراویح نہیں پڑھی گئیں۔

اس موضوع سے متعلق احادیث کا جتنا بھی ذخیرہ موجود ہے، کسی بھی ایک صحیح، معتبر، اور غیر قابل نقد وجرح حدیث میں نبی اکرم اسے تراویح کی تعداد رکعت کا واضح ثبوت نہیں ملتا ہے، اگرچہ بعض احادیث میں جن کی سند میں یقیناً کچھ ضعف موجود ہے ۲۰ رکعت کا ذکر ملتا ہے۔

خلیفۂ ثانی حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے دور حکومت میں بیس رکعت تراویح اور تین رکعت وتر جماعت کے ساتھ پڑھنے کا اہتمام ہوا، جیسا کہ محدثین، فقہاء، مورخین اور علماء کرام نے تسلیم کیا ہے۔ علامہ ابن تیمیہ علیہ الصلوٰۃ والسلام فرماتے ہیں کہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے سب صحابہؓ کو حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ کی امامت میں جمع کیا تو وہ بیس رکعت تراویح اور تین رکعت وتر پڑھاتے تھے۔ حضرت عمر فاروق ان خلفاء راشدین میں سے ہیں، جن کی بابت نبی اکرم انے فرمایا ہے کہ میری سنت اور میرے ہدایت یافتہ خلفاء راشدین کی سنت پر عمل کرو اور اسی کو ڈاڑھوں سے مضبوطی سے پکڑے رکھو۔ علامہ ابن تیمیہ علیہ الصلوٰۃ والسلام فرماتے ہیں کہ حضور اکرم انے ڈاڑھوں کا ذکر اس لیے کیا کہ ڈاڑھوں کی گرفت مضبوط ہوتی ہے، لہٰذا حضرت عمر فاروقؓ کا یہ اقدام عین سنت ہے۔ (فتاوی ابن تیمیہ ج ۲ ص ۴۰۱، ج ۲۲ ص ۴۳۴)

ام المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی وفات ۵۷ یا ۵۸ ہجری میں ہوئی اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے ۱۵ ہجری میں تراویح کی جماعت حضرت ابی ابن کعب رضی اللہ عنہ کی امامت میں باقاعدہ شروع فرمائی، اگر بیس رکعت تراویح کا عمل بدعت ہوتا تو ۴۲ سال کے طویل عرصہ میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا آٹھ رکعت والی حدیث کو بیس رکعت پڑھنے والوں کے خلاف پیش کرنا ثابت ہوتا؛ حالانکہ ایسا نہیں ہوا، بلکہ سعودی عرب کے نامور عالم، مسجد نبوی کے مشہور مدرس اور مدینہ منورہ کے (سابق) قاضی الشیخ عطیہ محمد سالمؒ (متوفی ۱۹۹۹) نے نماز تراویح کی چودہ سو سالہ تاریخ پر عربی زبان میں ایک مستقل کتاب لکھی ہے، جس میں ثابت کیا ہے کہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت سے آج تک حرمین (مسجد حرام اور مسجد نبوی) میں کبھی بھی ۲۰ سے کم تراویح نہیں پڑھی گئیں۔

نماز تراویح کی تعدادِ رکعت:

تراویح کی تعدادِ رکعت کے سلسلہ میں علماء کرام کے درمیان اختلاف ہے۔ تراویح پڑھنے کی اگرچہ بہت فضیلت احادیث میں وارد ہوئی ہے؛ لیکن فرض نہ ہونے کی وجہ سے تراویح کی تعدادِ رکعت میں یقیناً گنجائش ہے۔ جمہور محدثین

اور فقہاء کی رائے ہے کہ تراویح ۲۰ رکعت پڑھنی چاہئیں۔ تراویح کی تعداد رکعت میں علماء کرام کے درمیان اختلاف کی اصل بنیاد یہ ہے کہ تراویح اور تہجد ایک نماز ہے یا دو الگ الگ نمازیں۔ جمہور محدثین، فقہائے کرام نے اِن دونوں نمازوں کو الگ الگ نماز قرار دیا ہے، اُن کے نقطۂ نظر میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی روایت کا تعلق تہجد کی نماز سے ہے، جس میں انہوں نے فرمایا کہ رسول اللہ رمضان اور رمضان کے علاوہ گیارہ رکعت سے زائد نماز نہیں پڑھتے تھے۔ جس کے انہوں نے مختلف دلائل دیے ہیں، جن میں سے بعض یہ ہیں:

(۱) امام بخاریؒ نے اپنی مشہور کتاب (بخاری) میں نمازِ تہجد کا ذکر (کتاب التہجد) میں؛ جبکہ نماز تراویح کو (کتاب صلاۃ التراویح) میں ذکر کیا ہے۔ اس سے صاف ظاہر ہوتا کہ دونوں نمازیں الگ الگ ہیں، جیسا کہ جمہور علماء اور ائمۂ اربعہ نے فرمایا ہے، اگر دونوں ایک ہی نماز ہوتی تو امام بخاریؒ کو دو الگ الگ باب باندھنے کی کیوں ضرورت محسوس ہوتی۔ حضرت عائشہؓ والی حدیث کتاب التہجد میں ذکر فرما کر امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے ثابت کر دیا کہ اس حدیث کا تعلق تہجد کی نماز سے ہے۔

(۲) تراویح صرف رمضان میں پڑھی جاتی ہے، اور اِس حدیث میں ایسی نماز کا ذکر ہے جو رمضان کے علاوہ بھی پڑھی جاتی ہے۔

(۳) اگر حضرت عائشہؓ کے فرمان کا تعلق تراویح کی نماز سے ہے تو حضرت عمر فاروقؓ کے زمانے میں جب باضابطہ جماعت کے ساتھ ۲۰ رکعت تراویح کا اہتمام ہوا تو کسی بھی صحابی نے اِس پر کوئی تنقید کیوں نہیں کی؟ (دنیا کی کسی کتاب میں، کسی زبان میں بھی، کسی ایک صحابی کا حضرت عمر فاروقؓ کے زمانے میں ۲۰ رکعت تراویح کے شروع ہونے پر کوئی اعتراض مذکور نہیں ہے) اگر ایسی واضح حدیث تراویح کی تعداد کے متعلق ہوتی تو حضرت عمر فاروقؓ اور صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کو کیسے ہمت ہوتی کہ وہ ۸ رکعت تراویح کی جگہ ۲۰ رکعت تراویح شروع کر دیتے۔ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم تو ایک ذرا سی چیز میں بھی آپ کی تعلیمات کی مخالفت برداشت نہیں کرتے تھے۔ اور نبی اکرم کی سنتوں پر عمل کرنے کا جذبہ یقیناً صحابۂ کرامؓ میں ہم سے بہت زیادہ تھا؛ بلکہ ہم (یعنی آج کے مسلمان) صحابہ کی سنتوں پر عمل کرنے کے جذبہ سے اپنا کوئی مقارنہ بھی نہیں کر سکتے۔ نیز نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے: ہم خلفاء راشدین کی سنتوں کو بھی مضبوطی سے پکڑ لیں۔ (ابن ماجہ)

(۴) اگر اس حدیث کا تعلق واقعی تراویح کی نماز سے ہے (اور تہجد و تراویح ایک نماز ہے) تو رمضان کے آخری عشرہ

میں نمازِ تراویح پڑھنے کے بعد تہجد کی نماز کیوں پڑھی جاتی ہے؟
(۵) اس حدیث کا تعلق تہجد کی نماز سے ہے، جیسا کہ محدثین نے اس حدیث کو تہجد کے باب میں نقل کیا ہے، نہ کہ تراویح کے باب میں۔ (ملاحظہ ہو : مسلم ج ا ص ۱۵۴، ابوداوٗد ج ا ص ۱۹۶، ترمذی ج ا ص ۵۸، نسائی ج ا ص ۱۵۴، مؤطا امام مالک ص ۴۲)۔
علامہ شمس الدین کرمانیؒ (شارح بخاری) تحریر فرماتے ہیں کہ یہ حدیث تہجد کے بارے میں ہے اور حضرت ابوسلمہؓ کا مذکورہ بالا سوال اور حضرت عائشہؓ کا جواب تہجد کے متعلق تھا۔ (الکوکب الدراری شرح صحیح البخاری ج ا ص ۱۵۵۔۱۵۶)
حضرت شاہ عبدالحق محدث دہلویؒ فرماتے ہیں کہ صحیح یہ ہے کہ حضور اکرم اگیارہ رکعت (وتر کے ساتھ) پڑھتے تھے وہ تہجد کی نماز تھی۔
حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلویؒ تحریر فرماتے ہیں کہ یہ حدیث تہجد کی نماز پر محمول ہے جو رمضان اور غیر رمضان میں برابر تھی۔ (مجموعہ فتاوی عزیزی ص ۱۲۵)
نمازِ تراویح نبی اکرم اکے زمانے میں:
* حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے (رمضان کی) ایک رات مسجد میں نماز تراویح پڑھی۔ لوگوں نے آپ اکے ساتھ نماز پڑھی۔ پھر دوسری رات کی نماز میں شرکاء زیادہ ہوگئے، تیسری یا چوتھی رات آپ ﷺ نماز تراویح کے لیے مسجد میں تشریف نہ لائے اور صبح کو فرمایا کہ میں نے تمہارا شوق دیکھ لیا اور میں اس ڈر سے نہیں آیا کہ کہیں یہ نماز تم پر رمضان میں فرض نہ کر دی جائے۔ (مسلم، الترغیب فی صلاۃ التراویح) اِن دو یا تین رات کی تراویح کی رکعت کے متعلق کوئی تعداد احادیثِ صحیحہ میں مذکور نہیں ہے۔
* حضرت ابوہریرہؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ا ﷺ قیام رمضان کی ترغیب تو دیتے تھے؛ لیکن وجوب کا حکم نہیں دیتے۔ آپ ا ﷺ فرماتے کہ جو شخص رمضان کی راتوں میں نماز (تراویح) پڑھے اور وہ ایمان کے دوسرے تقاضوں کو بھی پورا کرے اور ثواب کی نیت سے یہ عمل کرے تو اللہ تعالیٰ اس کے سابقہ گناہ معاف فرمادیں گے۔ رسول اللہ ا ﷺ کی وفات تک یہی عمل رہا، دورِ صدیقی اور ابتداء عہد فاروقی میں بھی یہی عمل رہا۔ (مسلم۔ الترغیب فی صلاۃ التراویح)

صحیح مسلم کی اس حدیث سے معلوم ہوا کہ نبی اکرم ﷺ کی حیات میں، حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے دورِ خلافت اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے ابتدائی دورِ خلافت میں نماز تراویح جماعت سے پڑھنے کا کوئی اہتمام نہیں تھا، صرف ترغیب دی جاتی تھی؛ البتہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت میں یقیناً تبدیلی ہوئی ہے، اس تبدیلی کی وضاحت مضمون میں محدثین اور فقہائے کرام کی تحریروں کی روشنی میں آ رہی ہے۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی روایت (جس میں انہوں نے فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ رمضان اور رمضان کے علاوہ گیارہ رکعت سے زائد نماز نہیں پڑھتے تھے) میں لفظ تراویح کا ذکر نہیں ہے۔ لہٰذا اس حدیث کا تعلق تہجد کی نماز سے ہے؛ کیونکہ محدثین نے اس حدیث کو تہجد کے باب میں نقل کیا ہے، نہ کہ تراویح کے باب میں۔ (ملاحظہ ہو: مسلم ج ۱ ص ۱۵۴، ابوداؤد ج ۱ ص ۱۹۶، ترمذی ج ۱ ص ۵۸، نسائی ج ۱ ص ۱۵۴، موطا امام مالک ص ۴۲) اس سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ ان محدثین کے نزدیک یہ حدیث تہجد کی نماز سے متعلق ہے نہ کہ تراویح سے۔

امام محمد بن نصر مروزی رحمہ اللہ نے اپنے مشہور کتاب (قیام اللیل، ص ۹۱ اور ۹۲) میں قیام رمضان کا باب باندھ کر بہت سی حدیثیں اور روایتیں نقل فرمائی ہیں؛ مگر مذکورہ بالا حدیث عائشہ نقل نہیں فرمائی؛ اس لیے کہ ان کے نزدیک یہ حدیث تراویح کے متعلق ہے ہی نہیں۔

علامہ ابن قیم رحمہ اللہ نے اپنی مشہور ومعروف کتاب (زاد المعاد ص ۸۶) میں قیام اللیل (تہجد) کے بیان میں یہ حدیث نقل فرمائی ہے۔ علاوہ ازیں اس روایت کے متعلق حافظ حدیث امام قرطبی رحمہ اللہ کا یہ قول بھی نظر انداز نہیں کیا جانا چاہیے کہ بہت سے اہل علم حضرات اس روایت کو مضطرب مانتے ہیں۔ (عینی شرح بخاری ج ۷ ص ۱۸۷)

نماز تراویح خلفاء راشدین کے زمانے میں:

حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے عہد میں کتنی تراویح پڑھی جاتی تھیں، احادیث صحیحہ میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا کوئی واضح عمل مذکور نہیں ہے۔ گویا اس دور کا معمول حسب سابق رہا اور لوگ اپنے طور پر نماز تراویح پڑھتے رہے، غرضیکہ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے عہدِ خلافت (یعنی دو رمضان) میں نماز تراویح باقاعدہ جماعت کے ساتھ ایک مرتبہ بھی ادا نہیں ہوئی۔

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے جب اپنے عہد خلافت میں لوگوں کو دیکھا کہ تنہا تنہا تراویح کی نماز پڑھ رہے ہیں تو حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے سب صحابہ رضی اللہ عنہم کو حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ کی امامت میں جمع کیا، اور عشاء کے فرائض کے بعد وتروں سے پہلے

باجماعت ۲۰ رکعت نمازتراویح میں قرآن کریم مکمل کرنے کا باضابطہ سلسلہ شروع کیا۔
حضرت عبدالرحمن قاریؒ فرماتے ہیں کہ میں حضرت عمر فاروقؓ کے ہمراہ رمضان میں مسجد میں گیا تو دیکھا کہ لوگ مختلف گروپوں میں علیحدہ علیحدہ نمازتراویح پڑھ رہے ہیں، کوئی اکیلا پڑھ رہا ہے اور کسی کے ساتھ کچھ اور لوگ بھی شریک ہیں، اس پر حضرت عمر فاروقؓ نے فرمایا کہ واللہ! میرا خیال ہے کہ اگر ان سب کو ایک امام کی اقتداء میں جمع کر دیا جائے تو بہت اچھا ہے اور سب کو حضرت ابی بن کعبؓ کی اقتداء میں جمع کر دیا۔ حضرت عبدالرحمن فرماتے ہیں کہ پھر جب ہم دوسری رات نکلے اور دیکھا کہ سب لوگ ایک ہی امام کی اقتداء میں نمازتراویح ادا کر رہے ہیں تو حضرت عمر فاروقؓ نے فرمایا کہ یہ بڑا اچھا طریقہ ہے اور مزید فرمایا کہ ابھی تم رات کے جس آخری حصہ (تہجد) میں سوجاتے ہو، وہ اس (تراویح) سے بھی بہتر ہے جس کو تم نماز میں کھڑے ہو کر گزارتے ہو۔ (موطاامام مالک باب ماجاء فی قیام رمضان)
حضرت یزید بن رومانؓ فرماتے ہیں کہ لوگ (صحابۂ کرامؓ) حضرت عمر فاروقؓ کے دور خلافت میں ۲۳ رکعت (۲۰ تراویح اور ۳ وتر) ادافرماتے تھے۔ (موطاامام مالک باب ماجاء فی قیام رمضان، ص ۹۸)
علامہ بیہقیؒ نے کتاب المعرفہ میں نقل کیا ہے کہ حضرت سائب بن یزیدؓ فرماتے ہیں کہ حضرت عمر فاروقؓ کے دور حکومت میں ہم ۲۰ رکعت تراویح اور وتر پڑھا کرتے تھے۔ امام زیلعی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اس حدیث کی سند کو صحیح قرار دیا ہے۔ (نصب الرای ج ۲ ص ۱۵۴)
حضرت ابی بن کعبؓ سے روایت ہے کہ حضرت عمر فاروقؓ نے انہیں حکم دیا کہ رمضان کی راتوں میں نماز پڑھائیں؛ چنانچہ فرمایا کہ لوگ سارا دن روزہ رکھتے ہیں اور قراءت اچھی طرح نہیں کر سکتے۔ اگر آپ رات کو انہیں (نماز میں) قرآن سنائیں تو بہت اچھا ہوگا۔ پس حضرت ابی بن کعبؓ نے انہیں ۲۰ رکعتیں پڑھائیں۔ (مسند احمد بن منیع بحوالہ اتحاف الخیرۃ المہرۃ للبوصیری علی المطالب العالیہ ج ۲ ص ۴۲۴)
موطاامام مالک میں یزید بن خصیفہؒ کے طریق سے سائب بن یزیدؓ کی روایت ہے کہ عہد فاروقی میں بیس رکعت تراویح تھیں۔ (فتح الباری لابن حجر ج ۴ ص ۳۲۱، نیل الاوطار للشوکانی ج ۲ ص ۵۱۴)
حضرت محمد بن کعب القرظیؒ (جو جلیل القدر تابعی ہیں) فرماتے ہیں کہ لوگ حضرت عمرؓ کے دور میں بیس رکعت تراویح پڑھتے تھے۔ (قیام اللیل للمروزی ص ۱۵۷)

حضرت یحییٰ بن سعید ؒ کہتے ہیں کہ حضرت عمر فاروق ؓ نے ایک آدمی کو حکم دیا کہ لوگوں کو بیس رکعت تراویح پڑھائے۔ (مصنف ابن ابی شیبہ ج ۲ ص ۲۸۵)

حضرت حسن ؓ سے روایت ہے کہ حضرت عمر فاروق ؓ نے لوگوں کو حضرت ابی بن کعب ؓ کی امامت پر جمع فرمایا۔ وہ لوگوں کو بیس رکعت نماز تراویح پڑھاتے تھے۔ (ابوداؤد ج ۱ ص ۲۱۱، باب القنوت والوتر)

حضرت سائب بن یزید ؒ فرماتے ہیں کہ حضرت عمر فاروق ؓ کے دور میں تین رکعت (وتر) اور بیس رکعت (تراویح) پڑھی جاتی تھیں۔ (مصنف عبدالرزاق ج ۴ ص ۲۰۱، حدیث نمبر ۷۷۶۳)

حضرت سائب بن یزید ؒ فرماتے ہیں کہ حضرت عمر فاروق ؓ کے زمانے میں ہم ۲۰ رکعت تراویح پڑھا کرتے تھے، اور قاری صاحب سو سو آیات والی سورتیں پڑھتے تھے اور لمبے قیام کی وجہ سے حضرت عثمان غنی ؓ کے دور میں لاٹھیوں کا سہارا لیتے تھے۔ (السنن الکبریٰ للبیہقی ج ۲ ص ۴۹۶)

حضرت ابوالحسناء ؒ سے روایت ہے کہ حضرت علی ؓ نے ایک شخص کو حکم دیا کہ وہ لوگوں کو رمضان میں بیس رکعت تراویح پڑھائے۔ (مصنف ابن ابی شیبہ ج ۲ ص ۲۸۵)

حضرت ابوعبدالرحمن السلمی ؒ سے روایت ہے کہ حضرت علی ؓ نے رمضان میں قاریوں کو بلایا۔ پھر ان میں سے ایک قاری کو حکم دیا کہ وہ لوگوں کو بیس رکعت تراویح پڑھائے اور حضرت علی ؓ خود انہیں وتر پڑھاتے تھے۔ (السنن الکبریٰ للبیہقی ج ۲ ص ۴۹۶)

نمازِ تراویح سے متعلق صحابہ وتابعین کا عمل:

حضرت اعمش ؒ فرماتے ہیں کہ حضرت عبداللہ بن مسعود ؓ کا معمول بھی بیس رکعت تراویح اور تین رکعت وتر پڑھنے کا تھا۔ (قیام اللیل للمروزی ص ۱۵۷)

حضرت حسن بصری ؒ حضرت عبدالعزیز بن رفیع ؒ سے روایت کرتے ہیں کہ حضرت ابی بن کعب ؓ رمضان میں لوگوں کو بیس رکعت تراویح اور تین رکعت وتر پڑھاتے تھے۔ (مصنف ابن ابی شیبہ ج ۲ ص ۲۸۵)

حضرت عطا بن ابی رباح ؒ (جلیل القدر تابعی، تقریباً ۲۰۰ صحابہ کرام ؓ کی زیارت کی ہے) فرماتے ہیں کہ میں نے لوگوں (صحابہ) کو بیس رکعت تراویح اور تین رکعت وتر پڑھتے پایا ہے۔ (مصنف ابن ابی شیبہ ج ۲ ص ۲۸۵)

حضرت ابراہیم نخعیؒ (جلیل القدر تابعی، کوفہ کے مشہور و معروف مفتی) فرماتے ہیں کہ لوگ رمضان میں پانچ ترویحہ سے بیس رکعت پڑھتے تھے۔ (کتاب الآثار بروایت ابی یوسف ص ۴۱)

حضرت شتیر بن شکل (نامور تابعی، حضرت علیؓ کے شاگرد) لوگوں کو رمضان میں بیس رکعت تراویح اور تین رکعت وتر پڑھاتے تھے۔ (السنن الکبریٰ للبیہقی ج ۲ ص ۴۹۶)

حضرت ابوالبختریؒ (اہل کوفہ میں اپنا علمی مقام رکھتے تھے، حضرت عبداللہ بن عباسؓ، حضرت عمرؓ اور حضرت ابوسعیدؓ کے شاگرد)۔ آپ کے بارے میں روایت ہے کہ آپ رمضان میں پانچ ترویحہ سے بیس رکعت تراویح اور تین رکعت وتر پڑھاتے تھے۔ (مصنف ابن ابی شیبہ ج ۲ ص ۲۸۵)

حضرت سوید بن غفلہؒ (حضرت ابوبکرؓ، حضرت عمرؓ، حضرت علیؓ اور حضرت عبداللہ بن مسعودؓ وغیرہ صحابہؓ کی زیارت کی ہے)۔ آپ کے بارے میں ابوالخضیبؒ فرماتے ہیں کہ حضرت سوید بن غفلہؒ رمضان میں پانچ ترویحہ سے بیس رکعت تراویح پڑھاتے تھے۔ (السنن الکبریٰ للبیہقی ج ۲ ص ۴۹۶)

حضرت ابن ابی ملیکہؒ (جلیل القدر تابعی، تقریباً تیس صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی زیارت سے مشرف ہوئے) آپ کے متعلق حضرت نافع بن عمرؒ فرماتے ہیں کہ حضرت ابن ابی ملیکہ ہمیں رمضان میں بیس رکعت تراویح پڑھاتے تھے۔ (مصنف ابن ابی شیبہ ج ۲ ص ۲۸۵)

نمازِ تراویح سے متعلق اکابرین امت کے اقوال:

امام ابوحنیفہؒ:

علامہ ابن رشدؒ لکھتے ہیں کہ امام ابوحنیفہ علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ہاں قیام رمضان بیس رکعت ہے۔ (بدایۃ المجتہد ج ۱ ص ۲۱۴)

امام فخر الدین قاضی خانؒ لکھتے ہیں کہ امام ابوحنیفہؒ فرماتے ہیں کہ رمضان میں ہر رات بیس یعنی پانچ ترویحہ وتر کے علاوہ پڑھنا سنت ہے۔ (فتاویٰ قاضی خان ج ۱ ص ۱۱۲)

علامہ علاء الدین کاسانی حنفیؒ لکھتے ہیں کہ جمہور علماء کا صحیح قول یہ ہے کہ حضرت عمر فاروقؓ نے حضرت ابی بن کعبؓ کی امامت میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو تراویح پڑھانے پر جمع فرمایا تو انہوں نے بیس رکعت تراویح پڑھائی اور صحابہؓ کی طرف سے اجماع تھا۔ (بدائع الصنائع)

امام مالکؒ :

امام مالکؒ کے مشہور قول کے مطابق تراویح کی ۳۶ رکعت ہیں؛ جبکہ ان کے ایک قول کے مطابق بیس رکعت سنت ہیں۔علامہ ابن رشد قرطبی مالکیؒ فرماتے ہیں کہ امام مالکؒ نے ایک قول میں بیس رکعت تراویح کو پسند فرمایا ہے۔ (بدایۃ المجتہد ج۱ص ۲۱۴)

مسجد حرام میں تراویح کی ہر چار رکعت کے بعد ترویحہ کے طور پر مکہ کے لوگ ایک طواف کرلیا کرتے تھے،جس پر مدینہ منورہ والوں نے ہر ترویحہ پر چار چار رکعت نفل پڑھنی شروع کر دیں تو اس طرح امام مالکؒ کی ایک رائے میں ۳۶ رکعت (۲۰رکعت تراویح اور ۱۶رکعت نفل) ہوگئیں۔

امام شافعیؒ :

امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ مجھے بیس رکعت تراویح پسند ہیں،مکہ مکرمہ میں بیس رکعت ہی پڑھتے ہیں۔(قیام اللیل ص ۱۵۹)ایک دوسرے مقام پر امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ میں نے اپنے شہر مکہ مکرمہ میں لوگوں کو بیس رکعت نماز تراویح پڑھتے پایا ہے۔(ترمذی ج۱ص ۱۶۶)علامہ نووی شافعیؒ لکھتے ہیں کہ تراویح کی رکعت کے متعلق ہمارا (شوافع) مسلک وتر کے علاوہ دس سلاموں کے ساتھ بیس رکعت کا ہے،اور بیس رکعت پانچ ترویحہ ہیں اور ایک ترویحہ چار رکعت کا دوسلاموں کے ساتھ،یہی امام ابوحنیفہؒ اور ان کے اصحاب اور امام احمد بن حنبلؒ اور امام داوٗد ظاہری کا مسلک ہے اور قاضی عیاض علیہ الصلوٰۃ والسلام نے بیس رکعت تراویح کو جمہور علماء سے نقل کیا ہے۔(المجموع)

امام احمد بن حنبل :

فقہ حنبلی کے ممتاز ترجمان علامہ ابن قدامہؒ لکھتے ہیں : امام ابوعبداللہ (احمد بن حنبلؒ) کا پسندیدہ قول بیس رکعت کا ہے اور حضرت سفیان ثوریؒ بھی یہی کہتے ہیں اور ان کی دلیل یہ ہے کہ جب حضرت عمر فاروقؓ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو حضرت ابی بن کعبؓ کی اقتداء میں جمع کیا تو وہ بیس رکعت پڑھتے تھے،نیز حضرت امام احمد ابن حنبلؒ کا استدلال حضرت یزید وعلیؓ کی روایات سے ہے۔ابن قدامہؒ کہتے ہیں کہ یہ بمنزلہ اجماع کے ہے۔نیز فرماتے ہیں کہ جس چیز پر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ رضی اللہ عنہم عمل پیرا رہے ہوں،وہی اتباع کے لائق ہے۔(المغنی لابن قدامہ ج۲ص ۱۳۹،صلاۃ التراویح)

امام ترمذیؒ فرماتے ہیں کہ جمہور اہل علم کا مسلک وہی ہے جو حضرت علی رضی اللہ عنہ وحضرت عمرؓ اور دیگر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے

منقول ہے کہ تراویح میں بیس رکعت ہیں، حضرت سفیان ثوریؒ، ابن مبارکؒ اور امام شافعیؒ کا بھی یہی مسلک ہے اور امام شافعی علیہ الصلوٰۃ والسلام فرماتے ہیں کہ میں نے اہل مکہ کو بیس رکعت پڑھتے دیکھا۔ (ترمذی، ماجاء فی قیام شہر رمضان) امام ترمذیؒ نے اس موقع پر تحریر کیا ہے کہ بعض حضرات مدینہ منورہ میں ۴۱ رکعت تراویح پڑھا کرتے تھے۔ لیکن امام ترمذیؒ نے اہل مکہ یا اہل مدینہ میں سے ۸ تراویح پر کسی کا عمل نقل نہیں کیا۔

مسلم شریف کی سب سے مشہور ومعروف شرح لکھنے والے علامہ نوویؒ جو ریاض الصالحین کے مصنف بھی ہیں فرماتے ہیں کہ قیام رمضان سے مراد تراویح ہے اور تمام علماء متفق ہیں کہ یہ نماز اللہ تعالیٰ کو محبوب ہے؛ البتہ اس میں کچھ اختلاف ہے کہ گھر میں اکیلا پڑھنا بہتر ہے یا مسجد میں باجماعت؟ تو امام شافعیؒ، امام ابوحنیفہؒ، امام احمد بن حنبلؒ، بعض مالکی اور دیگر حضرات فرماتے ہیں کہ باجماعت پڑھنا بہتر ہے؛ چونکہ حضرت عمر فاروقؓ اور حضرات صحابۂ کرام □ نے ایسا ہی کیا اور اس پر مسلسل عمل جاری ہے حتی کہ یہ مسلمانوں کی ظاہری علامات میں سے ایک علامت ہے۔ (شرح مسلم للنووی، ملخص :الترغیب فی قیام رمضان)

نیز علامہ نوویؒ فرماتے ہے کہ جان لو کہ نماز تراویح کے سنت ہونے پر تمام علماء کا اجماع ہے اور یہ بیس رکعت ہیں، جن میں ہر دو رکعت کے بعد سلام پھیرا جاتا ہے۔ (الاذکار ص ۸۳)

علامہ عینیؒ (بخاری شریف کی شرح لکھنے والے) تحریر فرماتے ہیں کہ حضرت عمر فاروقؓ، حضرت عثمانؓ، حضرت علیؓ کے زمانہ میں تراویح کی بیس رکعت پڑھی جاتی تھیں۔ (عینی ج ۷ ص ۱۷۸)

شیخ امام غزالیؒ فرماتے ہیں کہ تراویح بیس رکعتیں ہیں جن کا طریقہ معروف ومشہور ہے اور یہ سنت مؤکدہ ہے۔ (احیاء العلوم ج ۱ ص ۱۳۲)

شیخ عبد القادر جیلانیؒ فرماتے ہیں کہ تراویح نبی اکرم کی سنت مبارکہ ہے اور یہ بیس رکعت ہیں۔ (غنیۃ الطالبین ص ۲۶۷، ۲۶۸)

مولانا قطب الدین خان محدث دہلویؒ فرماتے ہیں :اجماع ہوا صحابہ رضی اللہ عنہم کا اس پر کہ تراویح کی بیس رکعت ہیں۔ (مظاہر حق ج ۱ ص ۴۳۶)

حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ نے اپنی سب سے مشہور ومعروف کتاب (حجۃ اللہ البالغہ) میں تحریر کیا ہے کہ صحابۂ کرامؓ

اور تابعینؒ کے زمانہ میں تراویح کی بیس رکعت مقرر ہوئی تھیں؛ چنانچہ فرماتے ہیں کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہ اور تابعینؒ نے قیام رمضان میں تین چیزیں زیادہ کی ہیں:

(۱) مسجدوں میں جمع ہونا؛ کیونکہ اس سے عوام وخواص پر آسانی ہوتی ہے۔

(۲) اس کو شروع رات میں ادا کرنا؛ جبکہ اخیر رات میں پڑھنا زیادہ افضل ہے جیسا کہ حضرت عمر فاروقؓ نے اس طرف اشارہ فرمایا۔

(۳) تراویح کی تعداد بیس رکعت۔ (حجۃ اللہ البالغہ ج ۲ ص ۶۷)

مشہور غیر مقلد عالم نواب صدیق حسن خان مرحوم بھوپالیؒ نے تحریر فرمایا ہے کہ حضرت عمر فاروقؓ کے دور میں جو طریقہ بیس رکعت پڑھانے کا ہوا، اس کو علماء نے اجماع کے مثل شمار کیا ہے۔ (عون الباری ج ۴ ص ۳۱۷)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی حدیث کی مکمل عبارت اور اس کا صحیح مفہوم:

عَنْ اَبِي سَلْمٰى بْنِ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ اَنَّهُ اَخْبَرَهُ اَنَّهُ سَأَلَ عَائِشَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهَا كَيْفَ كَانَتْ صَلَاةُ رَسُوْلِ اللهِ صلى الله عليه وسلم فِيْ رَمَضَانَ فَقَالَتْ مَا كَانَ رَسُوْلُ اللهِ صلى الله عليه وسلم يَزِيْدُ فِيْ رَمَضَانَ وَلَا فِيْ غَيْرِهِ عَلٰى اِحْدٰى عَشَرَةَ رَكْعَةً يُصَلِّيْ اَرْبَعاً فَلَا تَسْئَلْ عَنْ حُسْنِهِنَّ وَطُوْلِهِنَّ ثُمَّ يُصَلِّيْ اَرْبَعاً فَلَا تَسْئَلْ عَنْ حُسْنِهِنَّ وَطُوْلِهِنَّ ثُمَّ يُصَلِّيْ ثَلَاثاً قَالَتْ يَا رَسُوْلَ اللهِ اَتَنَامُ قَبْلَ اَنْ تُوْتِرَ فَقَالَ: يَا عَائِشَةُ! اِنَّ عَيْنَيَّ تَنَامَانِ وَلَا يَنَامُ قَلْبِيْ

(بخاری، کتاب التہجد)

حضرت ابوسلمہ بن عبدالرحمن نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے پوچھا کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی رمضان میں نماز کی کیا کیفیت ہوا کرتی تھی؟ تو حضرت عائشہؓ نے فرمایا کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم رمضان اور غیر رمضان میں گیارہ رکعت سے زیادہ نہیں پڑھا کرتے تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم پہلے چار رکعت ادا کرتے تھے اور ان کی خوبی اور ان کی لمبائی کے بارے میں مت پوچھو (کہ وہ کتنی خوب اور کتنی لمبی ہوا کرتی تھیں) پھر آپ چار رکعت اسی طرح پڑھا کرتے تھے۔ پھر تین رکعت وتر پڑھا کرتے تھے۔ حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ میں نے عرض کیا کہ آپ وتر پڑھنے سے پہلے سوجاتے ہیں؟ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اے عائشہؓ! میری آنکھیں سوتی ہیں، میرا دل نہیں سوتا۔

﴿ وضاحت: یاد رکھیں کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی اس حدیث کا اصل تعلق تہجد کی نماز سے ہے اور تہجد اور تراویح دو الگ الگ نمازیں ہیں، یہی جمہور علماء کا مسلک ہے۔

اس حدیث میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز کی کیفیت بیان کی گئی کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم پہلے خوب لمبے قیام ورکوع وسجدہ والی چار رکعت ادا کرتے تھے پھر خوب لمبے قیام ورکوع وسجدہ والی چار رکعت ادا کرتے تھے، اور پھر تین رکعت وتر پڑھا کرتے تھے۔ حدیث کے الفاظ سے واضح طور پر معلوم ہوتا ہے کہ سوال اور جواب کا اصل مقصد حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز کی کیفیت کو بیان کرنا ہے، نہ کہ تعداد رکعت کو۔ بعض حضرات نے تہجد اور تراویح کی نماز کو ایک سمجھ کر حدیث میں وارد گیارہ میں سے آٹھ کے لفظ کو تراویح کے لیے لے لیا؛ لیکن گیارہ رکعت پڑھنے کی کیفیت اور تین رکعت وتر کو نظر انداز کر دیا۔

اگر نمازِ تہجد اور نمازِ تراویح ایک ہی نماز ہے اور تراویح کے آٹھ رکعت ہونے کی یہی حدیث دلیل ہے، تو چاہیے کہ اس حدیث کے تمام اجزاء پر عمل کیا جائے اور اس میں بیان کردہ پوری کیفیت کے ساتھ نماز تراویح ادا کی جائے یا کم از کم اس کے مسنون ہونے کو بیان کیا جائے؛ مگر اس حدیث سے صرف آٹھ کا لفظ تو لے لیا؛ مگر آٹھ رکعت نماز کی کیفیت کو چھوڑ دیا؛ کیونکہ اس میں لمبی لمبی چار چار رکعت پڑھنے کا ذکر ہے اور تین رکعت وتر کا ذکر ہے، نیز وتر کے لیے تین کے لفظ کو چھوڑ کر صرف ایک ہی رکعت وتر کو اپنی سہولت کے لیے اختیار کر لیا۔ اس حدیث میں ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم آٹھ رکعت پڑھنے کے بعد سو جاتے پھر وتر پڑھتے تھے؛ حالانکہ ماہِ رمضان میں حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے عہدِ خلافت سے سارے حضرات نماز عشاء کے ساتھ تراویح پڑھنے کے فوراً بعد وتر جماعت کے ساتھ پڑھتے ہیں۔ بخاری کی اس حدیث کے صرف آٹھ کے لفظ کو لے کر باقی تمام امور کو چھوڑنا، یہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی حدیث پر عمل کرنا نہیں ہوا؛ بلکہ اپنے اسلاف کے قرآن وحدیث فہمی پر قناعت کرنا ہے اور یہی تقلید ہے؛ حالانکہ بخاری میں ہی حضرت عائشہؓ کی دوسری حدیث ہے: كَانَ رَسُولُ اللهِ صلى الله عليه وسلم يُصَلِّي بِاللَّيْلِ ثَلَاثَ عَشْرَةَ رَكْعَةً ثُمَّ يُصَلِّي إِذَا سَمِعَ النِّدَا بِالصُّبْحِ رَكْعَتَيْنِ خَفِيفَتَيْنِ (باب ما يقرأ في ركعتي الفجر) یعنی اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم تہجد کی نماز تیرہ رکعت پڑھتے تھے اور جب فجر کی اذان سنتے تو دو ہلکی رکعت ادا کرتے (یعنی فجر کی سنت)۔ غور فرمائیں کہ گیارہ رکعت والی حدیث بھی بخاری میں ہے اور تیرہ رکعت والی حدیث بھی بخاری میں اور دونوں حدیثیں حضرت عائشہؓ سے ہی مروی ہیں تو سمجھ میں نہیں آتا کہ گیارہ رکعت والی حدیث میں سے لفظ آٹھ کو تو لے لیا اور تیرہ رکعت والی حدیث کو بالکل ہی چھوڑ دیا؛ حالانکہ تیرہ رکعت والی حدیث میں "کان" کا لفظ استعمال کیا گیا ہے جو عربی زبان میں

ماضی استمرار کے لیے ہے یعنی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا تیرہ رکعت پڑھنے کا معمول تھا۔نمازِ تہجد اور نمازِ تراویح کو ایک کہنے والے حضرات قرآن وحدیث کی روشنی میں دونوں احادیث میں تطبیق دینے سے قاصر ہیں۔جب پوچھا جاتا ہے کہ حضرت عائشہؓ کی آٹھ رکعت والی حدیث میں تو چار چار رکعت پڑھنے کا تذکرہ ہے؛لیکن عمل دو دو رکعت پڑھنے کا ہے تو جواب میں دوسری حدیث کا حوالہ دیا جاتا ہے، جس میں نماز تہجد کو دو دو رکعت پڑھنے کا تذکرہ ہے، اور وہ حضرت عبداللہ بن عباسؓ کی حدیث ہے جو بخاری ہی (کتاب الوتر) میں ہے: ثُمَّ صَلّٰی رَکْعَتَیْنِ، ثُمَّ رَکْعَتَیْنِ، ثُمَّ رَکْعَتَیْنِ، ثُمَّ رَکْعَتَیْنِ، ثُمَّ رَکْعَتَیْنِ، ثُمَّ رَکْعَتَیْنِ، ثُمَّ اَوْتَرَ۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے وضو وغیرہ سے فارغ ہو کر نماز تہجد پہلے دو رکعت ادا کی، پھر دو رکعت ادا کی، پھر دو رکعت ادا کی، پھر دو رکعت ادا کی، پھر دو رکعت ادا کی، پھر دو رکعت ادا کی، پھر وتر پڑھے۔بخاری کی اس حدیث سے معلوم ہوا کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نمازِ وتر کے علاوہ دو دو رکعت کر کے تہجد کی کل بارہ رکعتیں ادا فرماتے۔آٹھ رکعت تراویح کا موقف رکھنے والے حضرات کے نزدیک تراویح اور تہجد ایک ہی نماز ہے تو ان احادیث میں تطبیق کی کوئی صورت نظر نہیں آتی۔غرضے کہ حضرت عائشہؓ کی پہلی حدیث سے آٹھ کا لفظ لیا اور حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کی اس حدیث سے دو دو رکعت پڑھنے کو لیا، تو نہ تو حضرت عائشہؓ کی حدیث پر عمل ہوا اور نہ حضرت عبداللہ بن عباسؓ کی حدیث پر عمل ہوا؛ بلکہ اپنے اسلاف کی تقلید ہوئی؛ حالانکہ یہ تینوں احادیث صحیح بخاری کی ہی ہیں۔معلوم ہوا کہ نمازِ تراویح اور نمازِ تہجد کو ایک قرار دینا ہی غلط ہے؛ کیونکہ اس کا ثبوت دلائل شرعیہ سے نہیں دیا جاسکتا ہے۔چاروں ائمہ میں سے کوئی بھی دونوں نمازوں کو ایک قرار دینے کا قائل نہیں ہے۔ امام بخاریؒ تو تراویح کے بعد تہجد بھی پڑھا کرتے تھے، امام بخاریؒ تراویح باجماعت پڑھا کرتے تھے اور ہر رکعت میں بیس آیتیں پڑھا کرتے تھے اور پورے رمضان میں تراویح میں صرف ایک ختم کرتے تھے، جب کہ تہجد کی نماز امام بخاریؒ تنہا پڑھا کرتے تھے اور تہجد میں ہر تین رات میں ایک قرآن کریم ختم کیا کرتے تھے۔(امام بخاریؒ کے اس عمل کی تفصیلات پڑھنے کے لیے صحیح بخاری کی سب سے مشہور ومعروف شرح "فتح الباری" کے مقدمہ کا مطالعہ فرمائیں)۔

بس بات صحیح یہی ہے کہ نماز تراویح اور نماز تہجد دو الگ الگ نمازیں ہیں، تہجد کی نماز تو اللہ تعالیٰ کے حکم سے متعین ہوئی ہے، سورۃ المزمل کی ابتدائی آیات (یٰٓاَیُّهَا الْمُزَّمِّلُ قُمِ الَّیْلَ اِلَّا قَلِیْلًا ......) پڑھ لیں؛ جبکہ تراویح کا عمل حضور

اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان سے مشروع ہوا ہے، جیسا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے :سَنَنْتُ لَہ قِیَامَہ (نسائی، ابن ماجہ) تراویح کا عمل میں نے مسنون قرار دیا ہے۔حضرت عمر فاروقؓ کے عہد میں جماعت کے ساتھ بیس رکعت کا باقاعدہ اہتمام کے ساتھ شروع ہونا، روز روشن کی طرح واضح ہے، جیسا کہ محدثین وعلماء کرام کے اقوال، حوالوں کے ساتھ اوپر تحریر کیے جاچکے ہیں۔لہٰذا اس حقیقت کا انکار کرنا صرف اور صرف ہٹ دھرمی ہے۔حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا والی حدیث کا تعلق تہجد کی نماز سے ہے، جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کبھی کم کبھی زیادہ پڑھا کرتے تھے۔

ایک شبہ کا ازالہ:

بعض حضرات نے ابن خزیمہ وابن حبان میں وارد حضرت جابرؓ کی روایت سے ثابت کیا ہے کہ آپ ﷺ نے رمضان میں آٹھ رکعات تراویح پڑھیں؛ حالانکہ یہ روایت اس قدر ضعیف ومنکر ہے کہ اس سے استدلال نہیں کیا جاسکتا ہے؛ کیونکہ اس میں ایک راوی عیسیٰ بن جاریہ ہے، جس کی بابت محدثین نے تحریر کیا ہے کہ اس کے پاس منکر روایات ہیں، جیسا کہ ۸ رکعت تراویح کا موقف رکھنے والے حضرات نے دوسرے مسائل میں اس طرح کے راویوں کی روایات کو تسلیم کرنے سے منع کیا ہے۔اس نوعیت کی متعدد احادیث جمہور مسلمین کے پاس بھی موجود ہیں، جن میں مذکور ہے کہ حضور اکرم انے بیس رکعت تروایح پڑھیں : حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے روایت ہے کہ بیشک نبی اکرم اماہِ رمضان میں بلا جماعت بیس رکعت اور وتر پڑھتے تھے۔(بیہقی، ج ۱ ص ۴۹۶، اس حدیث کو طبرانی نے کبیر میں، ابن عدی نے مسند میں اور علامہ بغوی نے مجمع صحابہ میں ذکر کیا ہے) (زجاجۃ المصابیح)۔۔۔حافظ ابن حجر عسقلانیؒ نے امام رافعیؒ کے واسطہ سے نقل کیا ہے کہ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے لوگوں کو بیس رکعت دو راتیں پڑھائیں پھر تیسری رات کو لوگ جمع ہوگئے؛ مگر آپ باہر تشریف نہیں لائے۔پھر صبح کو فرمایا کہ مجھے اندیشہ تھا کہ یہ تمہارے اوپر فرض نہ ہوجائے اور تم اس کو ادا نہ کرسکو؛ اس لیے باہر نہیں آیا۔

دوسرے شبہ کا ازالہ:

بعض حضرات نے ایک روایت کی بنیاد پر تحریر کیا ہے کہ حضرت عمر فاروقؓ نے گیارہ رکعت تراویح کا حکم دیا تھا؛ حالانکہ یہ حدیث تین طرح سے منقول ہے اور حدیث کی سند میں شدید ضعف بھی ہے۔۔۔نیز حضرت عمر فاروقؓ کے زمانہ میں بیس رکعت تراویح پڑھی گئیں، یہ بات سورج کی روشنی کی طرح محدثین واکابر امت نے تسلیم کی ہے، جیسا کہ محدثین وعلماء کرام

کے اقوال حوالوں کے ساتھ اوپر تحریر کیے جا چکے ہیں۔لہٰذا اس حقیقت کا انکار کرنا صرف ہٹ دھرمی ہے۔امام ترمذیؒ، امام غزالیؒ، علامہ نوویؒ، شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ، علامہ ابن قدامہؒ، علامہ ابن تیمیہؒ اور مشہور غیر مقلد عالم نواب صدیق حسن خان مرحوم بھوپالیؒ نے بھی وضاحت کے ساتھ اس حقیقت کا اعتراف کیا ہے۔مشہور غیر مقلد عالم مفتی محمد حسین بٹالویؒ نے جب پہلی دفعہ ۱۲۸۴ھ میں باضابطہ طور پر فتوی جاری کیا کہ آٹھ رکعت تراویح سنت اور بیس رکعت بدعت ہے تو اس انوکھے فتوے کی ہر طرف سے مخالفت کی گئی۔مشہور غیر مقلد بزرگ عالم مولانا غلام رسولؒ صاحب نے خود اس فتویٰ کی سخت کلمات میں مذمت کی، اور اس کو سینہ زوری قرار دیا۔(رسالہ تراویح ص ۲۸،۵۶)

تیسرے شبہ کا ازالہ:

کچھ حضرات کہتے ہیں کہ نبی اکرم ا اور صحابۂ کرام رضی اللہ عنہ کے اقوال میں اگر کوئی تضاد ہو تو صحابہ کے اقوال کو چھوڑ کر نبی اکرم ا کے قول کو لیا جائے گا۔اس میں کسی کا کوئی اختلاف نہیں۔اگر کوئی اِس میں شک بھی کرے، تو اُسے اپنے ایمان کی تجدید کرنی ہوگی؛ لیکن یہاں کوئی تضاد نہیں ہے؛ کیونکہ نبی اکرم ا کے اقوال وافعال میں کہیں بھی تراویح کی کوئی تعداد مذکور نہیں ہے۔نبی اکرم ا کی سنتوں سے صحابۂ کرامؓ کو ہم سے زیادہ محبت تھی۔اور دین میں نئی بات پیدا کرنے سے صحابۂ کرام رضی اللہ عنہ ہم سے زیادہ ڈرنے والے تھے۔

خصوصی توجہ:

سعودی عرب کے نامور عالم، مسجد نبوی کے مشہور مدرس اور مدینہ منورہ کے (سابق) قاضی الشیخ عطیہ محمد سالمؒ (متوفی ۱۹۹۹) نے نماز تراویح کی چودہ سو سالہ تاریخ پر عربی زبان میں ایک مستقل کتاب (التراويحُ أكْثَرَ مِنْ أَلْفِ عَامٍ فِي الْمَسْجِدِ النبوی) لکھی ہے۔کتاب کے مقدمہ میں تصنیف کا سبب بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ مسجد نبوی میں نماز تراویح ہو رہی ہوتی ہے تو بعض لوگ آٹھ رکعت پڑھ کر ہی رک جاتے ہیں، ان کا یہ گمان ہے کہ آٹھ رکعت تراویح پڑھنا بہتر ہے اور اس سے زیادہ جائز نہیں ہے، اس طرح یہ لوگ مسجد نبوی میں بقیہ تراویح کے ثواب سے محروم رہتے ہیں۔ان کی اس محرومی کو دیکھ کر بہت افسوس ہوتا ہے، لہٰذا میں یہ کتاب لکھ رہا ہوں؛ تاکہ ان لوگوں کے شکوک وشبہات ختم ہوں اور ان کو بیس رکعت تراویح پڑھنے کی توفیق ہو جائے اس کتاب میں ۱۴۰۰ سالہ تاریخ پر مدلل بحث کرنے کے بعد شیخ عطیہ محمد سالمؒ لکھتے ہیں :اس تفصیلی تجزیہ کے بعد ہم اپنے قراء سے اولاً تو یہ پوچھنا چاہیں گے کہ کیا ایک ہزار سال

سے زائد اس طویل عرصہ میں کسی ایک موقع پر بھی یہ ثابت ہے کہ مسجد نبوی میں مستقل آٹھ تراویح پڑھی جاتی تھیں؟ یا چلیں بیس سے کم تراویح پڑھنا ہی ثابت ہو؟ بلکہ ثابت تو یہ ہے کہ پورے چودہ سو سالہ دور میں بیس یا اس سے زائد ہی پڑھی جاتی تھیں۔ دوسرا سوال یہ ہے کہ کیا کسی صحابی یا ماضی کے کسی ایک عالم نے بھی یہ فتویٰ دیا کہ ۸ سے زائد تراویح جائز نہیں ہیں اور اس نے حضرت عائشہؓ کی حدیث کو اس فتوے کی بنیاد بنایا ہو؟ انتہی؛

تراویح کا وقت؛

اس کا وقت فرضِ عشا کے بعد سے طلوع فجر تک ہے وتر سے پہلے بھی ہو سکتی ہے اور بعد بھی تو اگر کچھ رکعتیں اس کی باقی رہ گئیں کہ امام وتر کو کھڑا ہو گیا تو امام کے ساتھ وتر پڑھ لے پھر باقی ادا کرلے جب کہ فرض جماعت سے پڑھے ہوں اور یہ افضل ہے اور اگر تراویح پوری کر کے وتر تنہا پڑھے تو بھی جائز ہے اور اگر بعد میں معلوم ہوا کہ نماز عشا بغیر طہارت پڑھی تھی اور تراویح و وتر طہارت کے ساتھ تو عشا و تراویح پھر پڑھے وتر ہو گیا۔ (درمختار، ردالمحتار، عالمگیری)

مستحب یہ ہے کہ تہائی رات تک تاخیر کریں اور آدھی رات کے بعد پڑھیں تو بھی کراہت نہیں۔ (درمختار)

مسئلہ

اگر فوت ہو جائیں تو ان کی قضا نہیں اور اگر قضا تنہا پڑھ لی تو تراویح نہیں بلکہ نفل مستحب ہیں، جیسے مغرب و عشا کی سنتیں۔ (درمختار، ردالمحتار)

مسئلہ

تراویح کی بیس ۲۰ رکعتیں دس سلام سے پڑھے یعنی ہر دو رکعت پر سلام پھیرے اور اگر کسی نے بیسوں پڑھ کر آخر میں سلام پھیرا تو اگر ہر دو رکعت پر قعدہ کرتا رہا تو ہو جائے گی مگر کراہت کے ساتھ اور اگر قعدہ نہ کیا تھا تو دو رکعت کے قائم مقام ہوئیں۔ (درمختار)

نیت کا مسئلہ؛

احتیاط یہ ہے کہ جب دو دو رکعت پر سلام پھیرے تو ہر دو رکعت پر الگ الگ نیت کرے اور اگر ایک ساتھ بیسوں رکعت کی نیت کرلی تو بھی جائز ہے۔

تراویح کی تسبیح؛

فقہ حنفی کا اصل مسئلہ یہ ہے کہ دو ترویحہ کے درمیان نمازی کو اختیار ہے چاہے تو تسبیح کرے، چاہے حمد وثناء کرے اور اگر چاہے تو سکوت اختیار کرے اور اگلی رکعات کا انتظار کرے۔ چند تصریحات ملاحظہ ہوں:

:1قَوْلُهُ :وَيَجْلِسُ بَيْنَ كُلِّ تَرْوِيحَتَيْنِ مِقْدَارَ تَرْوِيحَةٍ وَذَلِكَ مُسْتَحَبٌّ وَهُمْ بِالْخِيَارِ فِي ذَلِكَ الْجُلُوسِ إنْ شَاءُوا يُسَبِّحُونَ أَوْ يُهَلِّلُونَ أَوْ يَنْتَظِرُونَ سُكُوتًا۔)الجوهرة النيرة :ص385(

ترجمہ :تراویح کی چار رکعت کے بعد بیٹھنا :یہ مستحب ہے اور نمازیوں کو اختیار ہے چاہیں تو اس بیٹھنے کے دوران تسبیح کرتے رہیں، لا الہ الا اللہ کا ورد کرتے رہیں یا محض خاموش بیٹھے رہیں۔

:2والانتظار بين كل ترويحتين مستحب بقدر ترويحة عند أبي حنيفة رحمه الله. وعليه عمل أهل الحرمين، غير أن أهل مكة يطوفون بين كل ترويحتين أسبوعاً، وأهل المدينة يصلون بدل ذلك أربع ركعات، وأهل كل بلدة بالخيار يسبحون أو يهللون أو ينتظرون سكوتاً.) المحيط البرهاني :ج 2ص181(

ترجمہ : امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک چار رکعتوں کے بعد کچھ دیر انتظار مستحب ہے اور اسی پر اہل حرمین شریفین کا عمل ہے، فرق یہ ہے کہ مکہ والے اس دوران سات چکر لگا لیتے اور مدینہ والے اس کے بدلے چار رکعت نفل پڑھ لیتے، باقی ہر شہر والوں کو اختیار ہے چاہیں تو اس بیٹھنے کے دوران تسبیح کرتے رہیں، لا الہ الا اللہ کا ورد کرتے رہیں یا محض خاموش بیٹھے رہیں۔

نوٹ :ہر چار رکعت کے بعد کچھ دیر انتظار واستراحت کرنا یہ محض فقہ حنفی کا مسئلہ نہیں بلکہ یہ خلیفہ راشد کے عمل سے ثابت ہے۔ چنانچہ روایت میں وارد ہے:

حدثني زيد بن علي عن ابيه عن جده عن علي انه امر الذي يصلي بالناس صلاة القيام في شهر رمضان ان يصلي بهم عشرين ركعة يسلم في كل ركعتين ويراوح ما بين كل اربع ركعات فيرجع ذو الحاجة ويتوضأ الرجل وان يوتر بهم من آخر الليل حين الانصراف۔ (مسند الامام زید ص158، 159)

ترجمہ : امام زید رحمہ اللہ اپنے والد امام زین العابدین رحمہ اللہ سے وہ اپنے والد حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ سے روایت فرماتے ہیں کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے جس امام کو رمضان میں تراویح پڑھانے کا حکم دیا اسے فرمایا کہ وہ لوگوں کو بیس رکعات پڑھائے ہر دو رکعت پر سلام پھیرے، ہر چار رکعت کے بعد اتنا آرام کا وقفہ دے کہ حاجت والا فارغ ہو کر وضو کر لے اور سب سے آخر میں وتر پڑھائے۔

ما قبل کی وضاحت سے معلوم ہوگیا کہ اس دوران کوئی بھی تسبیح پڑھی جاسکتی ہے یا خاموش بیٹھا جاسکتا ہے۔آجکل جو تسبیح کی جاتی ہے وہ بھی پڑھی جاسکتی ہے بشرطیکہ صرف اسی کو ضروری نہ سمجھا جائے۔رہا اس کی فضیلت کا سوال تو کتب احادیث میں اس کے الفاظ کا ثبوت اس صورت میں ملتا ہے:

إن لله بحرا من نور حوله ملائكة من نور على خيل من نور بأيديهم حراب من نور يسبحون حول ذلك البحر سبحان ذي الملك والملكوت سبحان ذي العرش والجبروت سبحان الحي الذي لا يموت سبوح قدوس رب الملائكة والروح فمن قالها في يوم أو شهر أو سنة مرة أو في عمره غفر الله له ما تقدم من ذنبه وما تأخر ولو كانت ذنوبه مثل زبد البحر أو مثل رمل عالج أو فر من الزحف (الديلمي عن أنس).

)جمع الجوامع أو الجامع الكبير للسيوطي :رقم الحديث 1587(

امام نووی رحمہ اللہ نے اللهم أجرنا من النار کے انکار کرنے والوں کا خوب رد کرتے ہوئے اسے ثابت بالسنۃ مانا ہے۔

)الاذکار للنووی :ص 384(

فائدہ :

دعا کے الفاظ میں صیغے کی تبدیلی کی شرعاً گنجائش موجود ہے۔جیسا کہ تلبیہ کے الفاظ میں حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کی معمولی اضافے کا ثبوت کتب حدیث میں ملتا ہے۔

تراویح میں ختمِ قرآن:

تراویح میں ایک بار مکمل قرآن کریم ختم کرنا سنت ہے،اس کو چھوڑنے والا تارک سنت کہلائے گا۔ہاں ایک سے زائد مرتبہ قرآن کریم ختم کرنا باعث سعادت وثواب ہے۔

عَنِ الْحَسَنِ قَالَ مَنْ أَمَّ النَّاسَ فِي رَمَضَانَ فَلْيَأْخُذْ بِهِمُ الْيُسْرَ فَإِنْ كَانَ بَطِيءَ الْقِرَاءَةِ فَلْيَخْتِمِ الْقُرْآنَ خَتْمَةً وَإِنْ كَانَ قِرَاءَةً بَيْنَ ذٰلِكَ فَخَتْمَةً وَنِصْفاً وَإِنْ كَانَ سَرِيعَ الْقِرَاءَةِ فَمَرَّتَيْنِ.

(مصنف ابن ابی شیبۃ :ج 5 ص 222 باب فی صلاۃ رمضان)

ترجمہ : حضرت حسن بصری رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ جو شخص رمضان میں لوگوں کو نماز تراویح پڑھائے وہ ان سے آسانی کا معاملہ کرے۔اگر اس کی قرأت آہستہ ہو تو ایک قرآن کریم کا ختم کرے،قرأت کی رفتار درمیانی ہو تو ڈیڑھ اور اگر تیز قرأت کرسکتا ہو تو پھر دو بار قرآن کا ختم کرے۔

قَالَ الْإِمَامُ الْفَقِيهُ مُحَمَّدُ بْنُ عَلِيٍّ الْحَصْكَفِيُّ رَحِمَهُ اللهُ: (وَالْخَتْمُ) مَرَّةً سُنَّةٌ وَمَرَّتَيْنِ فَضِيلَةٌ وَثَلَاثًا أَفْضَلُ (وَلَا يُتْرَكُ) الْخَتْمُ (لِكَسَلِ الْقَوْمِ).

(الدر المختار للحصکفی: ج2 ص 601 کتاب الصلاۃ، مبحث صلاۃ التراویح)

ترجمہ : امام محمد بن علی الحصکفی فرماتے ہیں: تراویح میں ایک بار قرآن مجید ختم کرنا سنت، دو بار فضیلت اور تین بار افضل ہے، قوم کی سستی کی وجہ سے چھوڑا نہ جائے۔

اَلسُّنَّةُ فِي التَّرَاوِيحِ إِنَّمَا هُوَ الْخَتْمُ مَرَّةً فَلَا يُتْرَكُ لِكَسَلِ الْقَوْمِ.

(فتاوی عالمگیریہ ج1 ص 130 فصل فی التراویح)

ترجمہ : تراویح میں ایک بار ختم قرآن کرنا سنت ہے، لوگوں کی سستی کی وجہ سے ترک نہ کیا جائے۔

تراویح میں قرآن مجید دیکھ کر پڑھنے کا مسئلہ:

تراویح میں قرآن پاک دیکھ کر پڑھنا جائز نہیں۔

عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ: نَهَانَا أَمِيرُ الْمُؤْمِنِينَ عُمَرُ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ أَنْ نَؤُمَّ النَّاسَ فِي الْمُصْحَفِ. (کتاب المصاحف لابن ابی داؤد: ص711 باب ھل یؤم القرآن)

ترجمہ : حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں: امیر المومنین حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ہمیں منع فرمایا کہ ہم امام بن کر قرآن پاک دیکھ کر پڑھائیں۔

عَنْ مُجَاهِدٍ أَنَّهُ كَانَ يَكْرَهُ أَنْ يَؤُمَّ الرَّجُلُ فِي الْمُصْحَفِ.

(مصنف ابن ابی شیبۃ: ج5 ص 89 باب من کرہ [ای الامامۃ بالقراءۃ فی المصحف])

ترجمہ : حضرت مجاہد رحمہ اللہ اس بات کو ناپسند فرماتے تھے کہ آدمی امام بنے اور قرآن دیکھ کر پڑھائے۔

نابالغ کی امامت کا مسئلہ:

نابالغ بچے کے پیچھے تراویح ادا کرنا جائز نہیں۔

عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ: نَهَانَا أَمِيرُ الْمُؤْمِنِينَ عُمَرُ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ أَنْ نَؤُمَّ النَّاسَ فِي الْمُصْحَفِ، وَنَهَانَا أَنْ يَؤُمَّنَا إِلَّا الْمُحْتَلِمُ.

(کتاب المصاحف لابن ابی داؤد: ص 711 باب ھل یؤم القرآن فی المصحف)

ترجمہ : حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں : امیر المومنین حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ہمیں منع فرمایا کہ ہم امام بن کر قرآن پاک دیکھ کر پڑھائیں اور ہمیں یہ حکم دیا کہ بالغ امامت کروائیں۔

عَنِ ابْنِ مَسْعُوْدٍ قَالَ :لَا يَؤُمُّ الْغُلَامُ حَتّٰى تَجِبَ عَلَيْهِ الْحُدُوْدُ.

(نیل الاوطار للشوکانی: ج3ص 176 باب ماجاء فی امامۃ الصبی)

ترجمہ : حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ بچہ امامت نہ کرائے جب تک اس قابل نہ ہو جائے کہ اس پر حدود لگ سکیں (یعنی بالغ ہو جائے)۔

تراویح کی اجرت کا مسئلہ :

ہمارے محققین اکابر اور دور حاضر کے مستند مفتیان کرام کا فتویٰ یہی ہے کہ تراویح کا معاوضہ لینا شرعاً جائز نہیں ہے اور رقم طے کر کے تراویح پڑھانا بھی جائز نہیں ہاں اگر لوجہ اللہ تراویح پڑھانے والا کوئی حافظ نہ ملے تو تراویح پڑھانے والے کو ماہ رمضان میں نائب امام بنایا جائے، اس کے ذمے ایک یا دو نماز مقرر کر دی جائے اور معقول تنخواہ طے کر دی جائے۔ اگر پہلے سے وہی امام مقرر ہے اور تراویح بھی اسی نے پڑھانی ہے تو اس کی تنخواہ میں خاطر خواہ اضافہ کر دیا جائے تو جائز ہوگا، کیونکہ امام کی اجرت کو جائز قرار دیا گیا ہے۔ امام کو چاہیے کہ اللہ کی رضا کی خاطر پڑھائے۔ معاوضہ طے بھی نہ کرے، لینے کی نیت بھی نہ رکھے، تاہم مقتدیوں میں سے کوئی امام صاحب کو ہدیہ دینا چاہے تو امام کے لیے ہدیہ لینے کی گنجائش ہے۔

خواتین کے لئے تراویح کے ضروری احکام:

یاد رکھیں کہ بالغہ عورت کیلئے بھی نمازِ تراویح سنتِ مؤکدہ ہے اور اس کی ادائیگی عورت پر لازم ہے لہٰذا گھر کے کام کاج کو بنیاد بنا کر ... یا ... سستی کی وجہ سے اس کو چھوڑنا بالکل بھی درست نہیں. اس نماز کے کچھ ضروری مسائل ہیں جن کو بغور پڑھا جائے تو ان شاء اللہ فائدہ ہوگا.

1-نمازِ تراویح کی 20 رکعات ہیں اور یہ پوری 20 رکعات عورت پر پڑھنا لازم ہے. لہٰذا اس سے کم رکعات پر اکتفاء کرنے کی شرعاً اجازت نہیں.

2-تراویح کی بیس رکعات دس سلام سے پڑھی جائیں گی یعنی ہر دو رکعت مکمل کرنے کے بعد سلام پھیرا جائے گا.

3-تراویح کی نیت بیس رکعات کی ایک ساتھ بھی کر سکتے ہیں. لیکن بہتر یہ ہے کہ ہر دو رکعت پر الگ الگ نیت کریں .اصل نیت دل کے ارادے کا نام ہے،اور زبانی اس طرح نیت کی جائے،

نیت کرتی ہوں میں دو رکعت نمازِ تراویح کی،واسطے اللہ تعالی کے،منہ میرا قبلے کی طرف،اللہ اکبر.

4-ہر چار رکعات مکمل کرنے کے بعد ترویحہ کیا جائے گا یعنی کچھ دیر بیٹھا جائے گا.اس دوران اوراد ووظائف،درود وغیرہ پڑھ سکتی ہیں. بہتر ہے کہ دعائے تراویح پڑھی جائے

دعا تراویح یہ ہے...

سُبْحَانَ ذِی الْمُلْكِ وَالْمَلَكُوْتِ سُبْحَانَ ذِی الْعِزَّةِ وَالْعَظَمَةِ وَالْكِبْرِيَآءِ وَالْجَبَرُوْتِ . سُبْحَانَ الْمَلِكِ الْحَيِّ الَّذِیْ لَا يَنَامُ وَلَا يَمُوْتُ سُبُّوْحٌ قُدُّوْسٌ رَبُّنَا وَرَبُّ الْمَلٰئِكَةِ وَالرُّوْحِ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللهُ نَسْتَغْفِرُ اللهَ نَسْئَلُكَ الْجَنَّةَ وَنَعُوْذُبِكَ مِنَ النَّارِ. اَللّٰهُمَّ اَجِرْنِیْ مِنَ النَّارِ يَا مُجِيْرُ يَا مُجِيْرُ يَا مُجِيْرُ.

(غنیہ،رد المحتار وغیرہما)

5-نمازِ تراویح کا وقت عشاء کے فرض ادا کرنے کے بعد سے شروع ہوتا ہے اور سحری کا وقت ختم ہونے تک رہتا ہے.

6-وتر نمازِ تراویح سے پہلے بھی پڑھ سکتے ہیں اور نمازِ تراویح کے بعد بھی.

7-نمازِ تراویح بغیر کسی شدید مجبوری کے بیٹھ کر نہیں پڑھ سکتے.

8-اگر تنہا نماز ادا کر رہی ہیں تو جو سورتیں آپ کو یاد ہیں وہی ہر دو رکعت میں پڑھ سکتی ہیں. بہتر ہے کہ پہلی دس رکعات میں سورۂ فیل سے سورۂ ناس تک پڑھیں پھر گیارہ سے بیس رکعات میں دوبارہ سورۂ فیل سے سورۂ ناس تک پڑھیں. اگر محرم حافظ میسر ہو تو جماعت سے پڑھنا افضل ہے،وگرنہ تنہا پڑھنا بہت بہتر ہے،آج کل کے زمانے میں خواتین کا فرض نماز کی ادائیگی کے لئے مسجد جانا جائز نہیں،تو تراویح کے لئے جانا تو بدرجہ اولی ناجائز ہے۔

9-رمضان المبارک کی تمام راتوں میں نمازِ تراویح کی ادائیگی لازم ہے.

10-نمازِ تراویح کی قضاء نہیں ہے لہذا اگر کسی رات نمازِ تراویح نہیں پڑھ سکیں اور سحری کا وقت بھی ختم ہو گیا تو اب اس کی قضاء نہیں.

رمضان اور عشرِ اخیر

رمضان المبارک کا ہر ہر لمحہ رحمتوں اور برکتوں سے پُر ہے، جن سے بھرپور استفادہ کرنا چاہئے اور پورے مہینہ کی راتوں اور دنوں میں کاروبار و مصروفیاتِ دنیا سے الگ تھلگ ہو کر، اللہ تعالیٰ کے ذکر اور تلاوتِ قرآن کیلئے کچھ خلوت کی گھڑیاں نکال لینی چاہئیں لیکن رمضان المبارک کا آخری عشرہ اور اس کا ایک ایک پل بہت ہی زیادہ بابرکت ہے، اس آخری عشرہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے معمولات یکسر تبدیل ہو جاتے۔

عن أم المؤمنين عائشة رضی الله تعالیٰ عنها قالت: [كان رسول الله صلى الله عليه وسلم يجتهد في العشر الاواخر ما لا يجتهد في غيره] (رواه مسلم)

اُم المؤمنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: [رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم رمضان کے آخری عشرہ میں جو محنت اور جدو جہد فرماتے وہ بقیہ دنوں میں نہیں فرماتے تھے]

اس جدو جہد کے تعلق سے کچھ امور صحیح بخاری و مسلم کی ایک حدیث میں مذکور ہیں

عن عائشة رضی الله عنها قالت: [كان رسول الله صلى الله عليه وسلم اذا دخل العشر شد مئزره وأحيا ليله وأيقظ أهله] (رواه البخاري ومسلم وهذا لفظ البخاري)

عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: [جب رمضان کا آخری عشرہ شروع ہوتا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کمر کس لیتے، پوری پوری رات جاگتے اور اپنے اہل کو بھی جگاتے]

واضح ہو کہ رمضان کے آخری عشرہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے کچھ ایسے امور مذکور ہیں جو بقیہ مہینہ میں نہیں ملتے، ہم اختصار کے ساتھ ان امور کا تذکرہ کرتے ہیں۔

(۱) رات بھر جاگنا:

مسند احمد (۶/۱۴۶) میں عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کا یہ فرمان مذکور ہے (ترجمہ) نبی صلی اللہ علیہ وسلم رمضان کے شروع کے بیس دنوں کی راتیں کچھ نماز پڑھ کے اور کچھ سو کر گزارتے لیکن جب عشرِ اخیر شروع ہو جاتا (تو مکمل شب بیداری کیلئے) کمر کس لیتے اور مستعد ہو جاتے۔

(۲) اپنے اہل کو جگانا:

یہ معاملہ بھی عشرِ اخیر کے خصائص میں سے ہے، طبرانی کی ایک حدیث کے مطابق نبی صلی اللہ علیہ وسلم اہل کے ساتھ ساتھ ہر چھوٹے بڑے جو نماز کی طاقت رکھتے کو جگایا کرتے تھے، ایک حدیث میں بالخصوص طاق راتوں میں جگانے کا ذکر

ہے۔

(۳) کمر کس لینا :

اس سے مراد عبادت میں شدید جدو جہد ہے، دوسرا معنی یہ کیا گیا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنا بستر لپیٹ کر بیویوں سے الگ ہو جاتے تھے، یہ معنی سفیان ثوری اور دیگر ائمۂ حدیث سے منقول ہے، اس معنی پر مشتمل انس بن مالک رضی اللہ عنہ کی روایت سے ایک مرفوع حدیث بھی مروی ہے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے عشرِ اخیر میں بستر لپیٹ کر اپنی بیویوں سے الگ ہو جانے کا ایک محمل یہ بھی ہو سکتا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم عشرِ اخیر میں باقاعدگی سے اعتکاف فرمایا کرتے تھے ،اور معتکف کیلئے بیویوں کے قریب جانا نصِ قرآنی اور اجماعِ امت سے ممنوع ہے۔

(۴) اعتکاف:

اعتکاف کی فضیلت

عن عائشة رضی الله عنها أن النبی صلی الله علیه وسلم [کان یعتکف العشر الاواخر من رمضان حتی توفاه الله تعالیٰ](رواه البخاری ومسلم)

عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے، [رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم رمضان کے آخری عشرہ میں اعتکاف فرمایا کرتے تھے، حتی کہ اللہ تعالیٰ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو وفات دے دی]

عن ابی هریرة رضی الله عنه قال:[کان رسول الله صلی الله علیه وسلم یعتکف فی کل رمضان عشرة ایام فلما کان العام الذی قبض فیه اعتکف عشرین یوما](رواه البخاری ۲۰۴۴)

ابو ہریرۃ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، [رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہر رمضان میں دس دن اعتکاف فرمایا کرتے تھے، جس سال آپ کا انتقال ہوا آپ نے بیس دن اعتکاف فرمایا] صحیح بخاری ہی میں ہے (۲۰۲۶) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد امہات المؤمنین اعتکاف کیا کرتی تھیں۔

عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کی روایت سے طبرانی اور مستدرک حاکم میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمان مذکور ہے:

[من اعتکف یوما ابتغاء وجه الله جعل الله بینه وبین النار ثلاث خنادق کل خندق ابعد مما بین الخافقین]

یعنی [جو شخص اللہ کی رضاء حاصل کرنے کیلئے ایک دن کا اعتکاف کرے گا، اللہ تعالیٰ اس کے اور جہنم کے درمیان تین

خندقیں تیار کروا دے گا ہر خندق کی چوڑائی مشرق ومغرب کے فاصلے سے بھی زیادہ ہوگی] (اس حدیث کو امام حاکم نے صحیح الاسناد کہا ہے)

اعتکاف مسجد میں خلوت اختیار کرنے کا نام ہے، نبی صلی اللہ علیہ وسلم اعتکاف کے دوران ایک چٹائی کی مکمل آڑ میں بیٹھا کرتے۔

اعتکاف کی حکمت تمام اشغال وہموم ِ دنیا سے کٹ کر اللہ تعالیٰ سے مناجات اور راز ونیاز کرنے کیلئے خلوت اختیار کرنا ہے، نیز شب قدر جو عشرِ اخیر کی کسی طاق رات میں آتی ہے، کا حصول بھی اعتکاف کے مقاصد میں سے ہے۔

اعتکاف ایک شرعی خلوت ہے، اس میں یہ پوری کوشش ہونی چاہئے کہ لوگوں سے اختلاط اور ان کے امور سے اشتغال کم سے کم ہو، امام احمد بن حنبل فرمایا کرتے تھے:

''معتکف کیلئے لوگوں سے میل جول مناسب نہیں، حتیٰ کہ تعلیم ِعلم اور تدریس قرآن کیلئے بھی، بلکہ افضل امر یہی ہے کہ وہ اپنے حجرہ میں تنہا ہو جائے اور اللہ تعالیٰ کے ذکر دعاء اور مناجات پر توجہ دے''

اسلام نے رہبانیت اختیار کرنے یا تارک الدنیا ہونے کو پسند نہیں کیا بلکہ دنیاوی امور کے ساتھ ساتھ دینی امور کو سرانجام دینے کا حکم دیا ہے۔ البتہ اس کا نعم البدل اعتکاف کی صورت میں عطا فرمایا ہے جو کہ رمضان المبارک کے آخری عشرہ میں کیا جاتا ہے۔ اعتکاف مسنون وافضل عبادت ہے، اسی لیے حضور نبی کریم ﷺ ہر سال اعتکاف کرتے تھے۔ ایک سال نہ کر سکے تو اگلے سال بیس دن کا اعتکاف کیا۔ اعتکاف کے بہت سارے دینی وروحانی فوائد وثمرات ہیں، جو معتکف کو پورا سال نصیب ہوتے ہیں۔ اعتکاف کی لغوی وشرعی تعریف، شرائط، فوائد، اقسام اور مقصد اعتکاف کی وضاحت حسب ذیل ہے۔

اعتکاف کا لغوی معنیٰ:

اعتکاف عربی زبان کا لفظ ہے جس کا لغوی معنیٰ ''خود کو روک لینا، بند کر لینا، کسی کی طرف اس قدر توجہ کرنا کہ چہرہ بھی اُس سے نہ ہٹے'' وغیرہ کے ہیں (ابن منظور، لسان العرب، 255 : 9)۔ اعتکاف کا شرعی معنیٰ یہ ہے کہ (رمضان المبارک کے آخری عشرہ میں عبادت کی غرض سے) مسجد میں اعتکاف کی نیت سے رکنا اور ٹھہرنا۔ اس بات پر تمام امت متفق ہے کہ اعتکاف افضل عبادات میں سے ہے۔

اعتکاف قرآن مجید کی روشنی میں:

اعتکاف کا ذکر قرآن مجید میں ان الفاظ سے ملتا ہے"اور ہم نے ابراہیم اور اسماعیل (علیہما السلام) کو تاکید فرمائی کہ میرے گھر کو طواف کرنے والوں اور اعتکاف کرنے والوں اور رکوع وسجود کرنے والوں کے لئے پاک (صاف) کر دو"(البقرہ 125 :)۔اعتکاف والوں کو قرآن مجید میں ان الفاظ سے ارشاد فرمایا :"عورتوں سے مباشرت نہ کرو، جب کہ تم مسجدوں میں اعتکاف کیے ہوئے ہو"(البقرہ 187:)۔

اعتکاف احادیث مبارکہ کی روشنی میں:

اعتکاف کا ذکر احادیث مبارکہ میں بھی ملتا ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ اعتکاف نبی کریم ﷺ کی سنت ہے اور اعتکاف بیٹھنے کی فضیلت پر کئی احادیث مبارکہ وارد ہوئی ہیں۔اِن میں سے چند ایک درج ذیل ہیں:

حضرت سیدہ عائشہ صدیقہؓ سے روایت ہے،"نبی کریم ﷺ رمضان المبارک کے آخری عشرہ میں اعتکاف کیا کرتے تھے، یہاں تک کہ آپ ﷺ کا وصال ہوگیا۔پھر آپ ﷺ کے بعد آپ ﷺ کی ازواج مطہرات (بیویاں) بھی اعتکاف کرتی رہیں۔(صحیح مسلم،کتاب الاعتکاف،حدیث 1172)

حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے معتکف کے بارے میں ارشاد فرمایا :"وہ (یعنی معتکف) گناہوں سے کنارہ کش ہو جاتا ہے اور اُسے عملاً نیک اعمال کرنیوالے کی مثل پوری پوری نیکیاں عطا کی جاتی ہیں"(سنن ابن ماجہ،کتاب الصیام،حدیث 2178 :)

حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے ہی ایک اور حدیث مروی ہے کہ حضور نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا: جو شخص اللہ کی رضا کیلئے ایک دن اعتکاف کرتا ہے، اللہ تعالیٰ اس کے اور دوزخ کے درمیان تین خندقوں کا فاصلہ کر دیتا ہے۔ہر خندق مشرق سے مغرب کے درمیانی فاصلے سے زیادہ لمبی ہے۔(طبرانی،حدیث 7326 :،بیہقی،شعب الایمان،حدیث : 3965)

حضرت علی (زین العابدین) بن حسینؓ اپنے والد امام حسینؓ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: "جس شخص نے رمضان المبارک میں دس دن کا اعتکاف کیا، اس کا ثواب دو حج اور دو عمرہ کے برابر ہے۔(بیہقی،شعب الایمان،باب الاعتکاف،حدیث نمبر 3966 :)

اعتکاف کی شرائط:

اعتکاف کیلئے درج ذیل شرائط کا پایا جانا ضروری ہے جن کے بغیر اعتکاف صحیح نہیں ہوگا۔علامہ علاؤ الدین کاسانی ؒ لکھتے ہیں کہ :(1) مسلمان ہونا،(2) عقلمند ہونا(دیوانہ شخص احکام اسلام کا مکلف نہیں ہوتا)،(3) جنابت،حیض ونفاس سے پاک ہونا،(4) اعتکاف کی نیت کرے اس کیلئے کہ بغیر نیت کے عبادت صحیح نہیں ہوتی،(5) سنت اعتکاف کیلئے معتکف کا روزہ دار ہونا شرط ہے،(6) مرد معتکف کیلئے اعتکاف کیلئے مسجد ہونا شرط ہے اور خواتین اپنے گھر میں اعتکاف کریں گی،مسجد میں اعتکاف نہیں کریں گی۔اپنے گھر کی مسجد میں عورت کا اعتکاف محلہ کی مسجد میں اعتکاف کرنے سے افضل ہے۔اور اپنے محلہ کی مسجد میں اعتکاف بڑی مسجد میں اعتکاف کرنے سے افضل ہے۔(بدائع الصنائع،کتاب الاعتکاف،ج2،ص108_103)

اعتکاف کیلئے دوسری شرط یہ ہے کہ معتکف 20رمضان کی شام غروب آفتاب سے پہلے پہلے مسجد کے اندر پہنچ جائے۔ علامہ ابوالحسن سندھی لکھتے ہیں :''نبی کریم ﷺ رمضان المبارک کے آخری عشرہ میں اعتکاف کیا کرتے تھے'' سے یہ نتیجہ اخذ ہوتا ہے کہ اول وقت جس میں معتکف اعتکاف گاہ میں داخل ہوتا ہے وہ سورج غروب ہونے سے تھوڑی دیر قبل ہے اور اسی بات پر آئمہ اربعہ اور اہل علم کے ایک طبقہ کا اتفاق ہے،کیونکہ یہ بات ثابت ہے کہ حضور نبی اکرم ﷺ رمضان المبارک کے آخری دس دنوں میں اعتکاف فرمایا کرتے تھے اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو بھی اس کی ترغیب دیا کرتے تھے اور دس کا شمار راتوں کی گنتی کے اعتبار سے کیا ہے۔پس اس میں (عشرہ اخیرہ کی) پہلی رات بھی شامل ہے ورنہ یہ عدد بالکل پورا ہی نہیں ہوتا۔(حاشیہ علی السنن النسائی،ج2،ص44)

اعتکاف کے فوائد:

اعتکاف کے بہت سے فائدے ہیں مثلاً (1) اعتکاف کرنے والا گویا اپنے تمام بدن اور تمام وقت کو خدا کی عبادت کیلئے وقف کر دیتا ہے،(2) دنیا کے جھگڑوں سے محفوظ رہتا ہے،(3) اعتکاف کی حالت میں اسے ہر وقت نماز کا ثواب ملتا ہے کیونکہ اعتکاف معتکف ہر وقت نماز اور جماعت کے انتظار اور اشتیاق میں بیٹھا رہتا ہے،(4) اعتکاف کی حالت میں معتکف فرشتوں کی مشابہت پیدا کرتا ہے کہ ان کی طرح ہر وقت عبادت اور تسبیح و تقدیس میں رہتا ہے،(5) مسجد چونکہ خدا تعالیٰ کا گھر ہے اس لئے حالت اعتکاف میں معتکف خدا تعالیٰ کا پڑوسی بلکہ اس کے گھر کا مہمان ہوتا ہے۔

اعتکاف کی اقسام:

فقہی اعتبار سے اعتکاف کی تین اقسام کی جاتی ہیں۔

واجب "منت کا اعتکاف":

اعتکاف کی نذر مانی یعنی زبان سے کہا میرا فلاں کام ہوگا تو میں اللہ کیلئے فلاں دن یا اتنے دنوں کا اعتکاف کروں گا، تو ایسی صورت میں کام ہو جانے پر مقررہ دنوں کا اعتکاف واجب ہوگا۔ جیسا کہ قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: اپنی نذروں کو پورا کیا کرو (الحج 29:)۔ حضرت عمرؓ سے مروی ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں عرض کیا کہ میں نے نذر مانی تھی کہ ایک رات میں مسجد حرام میں اعتکاف کروں گا تو آپ ﷺ نے فرمایا: "اپنی نذر پوری کرو" (بخاری، کتاب الاعتکاف)۔

منت کے اعتکاف میں روزہ شرط ہے، یہاں تک کہ اگر ایک مہینے کے اعتکاف کی منت مانی اور یہ کہا کہ روزہ نہ رکھے گا جب بھی روزہ رکھنا واجب ہے۔ اور اگر رات کے اعتکاف کی منت مانی تو یہ منت صحیح نہیں کہ رات میں روزہ نہیں ہوسکتا اور اگر یوں کہا کہ ایک دن رات کا مجھ پر اعتکاف ہے تو منت صحیح ہے۔ (الدر المختار، کتاب الصوم، ج3، ص496)

سنت اعتکاف:

رمضان المبارک کے آخری عشرہ کا اعتکاف سنت ہے۔ حضور ﷺ ہمیشہ مدینہ منورہ میں ہر سال رمضان المبارک میں اعتکاف کیا کرتے تھے۔ اسے فقہی اعتبار سے سنت مؤکدہ علی الکفایہ کہا جاتا ہے۔ یعنی پورے شہر میں کسی ایک نے کرلیا تو سب کی طرف سے ادا ہو جائے گا اور اگر کسی ایک نے بھی نہ کیا تو سبھی گناہ گار ہوں گے۔ ان دنوں کا روزہ رکھنا بھی معتکف کیلئے شرط ہے۔ اگر کسی وجہ سے روزہ ٹوٹ گیا تو روزے کے علاوہ اعتکاف کی بھی قضاء لازم ہوگی۔ (الدر المختار، کتاب الصوم، باب الاعتکاف، ج3، ص494)

مستحب/نفلی اعتکاف:

نذر واجب اور سنت مؤکدہ کی شرائط سے ہٹ کر جو اعتکاف کیا جائے وہ نفلی اعتکاف کہلاتا ہے۔ اس کیلئے روزہ کی شرط اور وقت کی کوئی قید نہیں ہے۔ جب بھی مسجد میں داخل ہوں اعتکاف کی نیت کر لیجئے، اعتکاف کا ثواب ملتا رہے گا۔ جب مسجد

سے باہر نکلیں گے تو اعتکاف ختم ہو جائے گا۔(فتاوی ہندیہ، کتاب الصوم، ج1،ص 211)

اعتکاف کو توڑنے والے امور:

اعتکاف کو توڑنے والے امور درج ذیل ہیں: (1) معتکف کا شرعی وطبعی عذر کے بغیر مسجد سے باہر نکلنا (شرعی عذر سے مراد غسل واجب یا وضو کیلئے مسجد سے نکلنا اور طبعی عذر سے مراد قضائے حاجت کیلئے مسجد سے نکلنا)۔(2) حالتِ اعتکاف میں مباشرت کرنا۔(3) عورت اعتکاف میں ہو تو حیض ونفاس کا جاری ہو جانا۔(4) اگر مسجد میں جمعہ نہیں ہوتا تو جمعہ پڑھنے کیلئے دوسری مسجد میں جانا عذرِ شرعی ہے، اس کیلئے اذان جمعہ کے بعد نکلے۔(5) کسی وقت کوئی حادثہ ہو جائے تو جان ومال بچانے کیلئے مسجد سے نکلنا جائز ہے۔(6) مریض کی عیادت اور نمازِ جنازہ میں شرکت کیلئے اگر مسجد سے باہر گیا تو اعتکاف فاسد ہو جائے گا۔(7) معتکف کو بے ہوشی یا جنون طاری ہوا اور اتنا طول پکڑ گیا کہ روزہ نہ ہو سکے تو اعتکاف فاسد ہو جاتا ہے اور قضا واجب ہے۔(8) مرض کے علاج کیلئے مسجد سے نکلے تو اعتکاف فاسد ہو گیا۔(9) اعتکاف کیلئے روزہ شرط ہے، اس لئے روزہ توڑنے سے اعتکاف بھی ٹوٹ جاتا ہے خواہ یہ روزہ کسی عذر سے توڑا ہو یا بلاعذر، جان بوجھ کر توڑا ہو یا غلطی سے ٹوٹا ہو، ہر صورت میں اعتکاف ٹوٹ جاتا ہے۔(10) اعتکاف واجب میں معتکف کو مسجد سے بغیر عذر کے نکلنا حرام ہے اگر نکلا تو اعتکاف ٹوٹ جائے گا۔ اگر چہ بھول کر ہی نکلا ہو۔ (فتاوی ہندیہ، کتاب الصوم، ج1،ص 211)، (11) معتکف نے حرام مال یا نشہ کی چیز رات میں کھائی تو اعتکاف فاسد نہیں ہو گا۔(فتاوی ہندیہ، کتاب الصوم، ج1، ص213) مگر اس حرام کام کا گناہ ہوا توبہ کرے۔(12) معتکف نے دن میں بھول کر کھالیا تو اعتکاف فاسد نہ ہوا، گالی گلوچ یا جھگڑا کرنے سے اعتکاف فاسد نہیں ہوتا مگر بے نور و بے برکت ہوتا ہے۔(فتاوی ہندیہ، کتاب الصوم، ج1، ص213)،(13) معتکف کے سوا کسی اور کو مسجد میں کھانے، پینے اور سونے کی اجازت نہیں اگر یہ کام کرنا چاہے تو اعتکاف کی نیت کر کے مسجد میں جائے اور نماز پڑھے یا ذکر الٰہی کرے پھر یہ کام کر سکتا ہے۔(ردالمختار، کتاب الصوم، ج3،ص506)،(14) اعتکاف بیٹھنے کیلئے خواتین شرعی عذر (حیض) روکنے کیلئے ٹیبلٹ یا انجکشن استعمال کرنا چاہیں تو غروبِ آفتاب سے لے کر اذانِ فجر سے قبل تک ٹیبلٹ لے سکتی یا انجکشن لگوا سکتی ہیں۔لیکن اگر انجکشن لگوانے یا گولیاں کھانے کے باوجود کسی وقت عذرِ شرعی لاحق ہو جائے، چاہے وہ تھوڑی دیر کے لیے ہی ہو، تو مسنون اعتکاف ٹوٹ جائے گا۔(15) رمضان المبارک میں معتکف یا معتکفہ (مرد یا عورت) کا کسی عذر کی وجہ سے مسنون اعتکاف ٹوٹ جائے، مثلاً

ضرورت سے زائد اعتکاف گاہ سے باہر رہے یا معتکفہ (عورت) کو حیض آجائے یا نفاس (بچے کی پیدائش) ہو جائے یا کوئی اور بیماری یا تکلیف لاحق ہو جائے اور اعتکاف فاسد کر دیں، تو ان پر ایک دن، رات کے اعتکاف کی روزہ کے ساتھ قضا لازم ہے، اور قضا رمضان میں بھی کر سکتی ہے اور رمضان کے بعد بھی، لہذا رمضان المبارک کے دن باقی ہیں تو عورت ایک دن مغرب کی نماز سے پہلے سے اگلے دن غروبِ آفتاب کے بعد تک روزہ کے ساتھ اپنے اعتکاف کی جگہ میں قضا کی نیت سے اعتکاف کرلے، اور مرد مسجد میں اسی طرح اعتکاف کرلے تو مسنون اعتکاف کی قضا ہو جائے گی۔

دراصل یہ حکم ایک اصول پر مبنی ہے، وہ یہ کہ سنت اعتکاف میں ہر دن کا اعتکاف مستقل شمار ہوتا ہے، جیسے کوئی شخص چار رکعات نفل پڑھے تو ہر دو رکعت مستقل الگ عبادت شمار ہوتی ہیں، لہذا اگر کسی شخص نے مسنون اعتکاف شروع کیا اور اس کا اعتکاف ٹوٹ گیا تو اس پر ایک دن کی قضا لازم ہے، کیوں کہ ہر دن کا اعتکاف الگ شمار ہوگا، جب کسی دن کا اعتکاف ٹوٹ گیا تو پچھلے دنوں کا اعتکاف درست تھا اس کی قضا لازم نہیں، اگلے دنوں کا اعتکاف شروع نہیں ہوا؛ لہذا اس کی بھی قضا لازم نہیں، صرف اسی دن کی قضا لازم ہوگی جس دن اس نے اعتکاف فاسد کیا ہے؛ کیوں کہ وہ شروع ہونے کے بعد مکمل نہ ہو سکا۔

ضروری وضاحت:

: مسنون اعتکاف کہ رمضان المبارک کے آخری عشرہ کیلئے بیٹھا تھا اسے توڑا تو جس دن توڑا صرف اس ایک دن کی قضا کرے، پورے دس دنوں کی قضا واجب نہیں۔ نفل اعتکاف اگر توڑ دے تو اس کی قضا نہیں۔ (رد المحتار، کتاب الصوم، ج3، ص399-503)

اعتکاف کے مکروہات:

(1) بالکل خاموشی اختیار کرنا کہ ذکر و نعت اور دعوت و تبلیغ کی بجائے خاموش رہنے کو عبادت سمجھا تو یہ مکروہ تحریمی ہے۔ اگر بری باتوں سے خاموش رہا تو وہ اعلیٰ درجے کی چیز ہے۔ (2) مال و اسباب مسجد میں لا کر بغرضِ تجارت بیچنا یا خریدنا۔ (3) لڑائی جھگڑا یا بیہودہ باتیں کرنا۔

اعتکاف کا مقصد:

اعتکاف کرنے والے کو اس بات سے آگاہ رہنا ضروری ہے کہ اعتکاف کا مقصد اور اس کی روح کیا ہے تا کہ وہ ہر لمحہ اسے

پیشِ نظر رکھے۔شیخ ابن رجب لکھتے ہیں :''معتکف اپنے آپ کو اللہ تعالیٰ کی اطاعت اور اس کے ذکر و یاد کیلئے پابند کر لیتا ہے اپنی ذات کو ہر اس عمل سے الگ کر لیتا ہے جو اسے اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ کرنے سے مشغول کر دے، وہ دل اور جسم دونوں کو اپنے رب تعالیٰ کے قرب کے ذرائع کے لیے اس طرح پابند کر لیتا ہے کہ اب اس کا مقصود و منزل اللہ اور اس کی رضا کے سوا کچھ بھی باقی نہیں رہتا''۔

الغرض اعتکاف کا مقصد یہ ٹھہرا کہ معتکف ہر وقت اپنے آپ کو بارگاہ الٰہی میں حاضر سمجھے،مخلوق سے ہر رشتہ منقطع کر کے اپنے رب کریم سے تعلق و رشتہ قائم کرنے کی جدو جہد میں مصروف رہے۔نبی کریم ﷺ کی رمضان المبارک کے آخری عشرہ کی عبادت میں محنت اور جدو جہد کے متعلق امام بخاری لکھتے ہیں :ام المؤمنین سیدہ عائشہ صدیقہؓ سے مروی ہے کہ جب رمضان المبارک کا آخری عشرہ شروع ہوتا تو آپ ﷺ اپنی کمر کس کر باندھ لیتے،تمام رات خود بھی بیدار رہ کر عبادت الٰہی میں مشغول رہتے اور اپنے گھر والوں کو بھی بیدار رکھتے۔(صحیح بخاری)

امام مسلمؒ روایت کرتے ہیں :رسول اللہ ﷺ رمضان کے آخری دنوں میں عبادت الٰہی میں جو محنت فرماتے اس کے علاوہ باقی دنوں میں اتنی محنت نہیں فرماتے تھے۔(صحیح مسلم)

امام احمد بن حنبل روایت نقل کرتے ہیں :رسول اللہ ﷺ رمضان المبارک کے پہلے بیس دنوں میں عبادت بھی کرتے مگر کچھ آرام بھی لیکن جب آخری عشرہ شروع ہو جاتا تو پہلے سے بھی بڑھ کر عبادت کرتے اور کمر باندھ لیتے۔(مسند احمد)، یعنی ان دس دنوں میں اللہ تعالیٰ کے حبیب مکرم ﷺ عبادت الٰہی میں خوب محنت فرماتے اور یہ وہ ہستی ہے جس کا دل ہر حال میں اپنے رب تعالیٰ سے جڑا رہتا ہے۔جب ہمارے پیارے نبی مکرم ﷺ کی محنت اور جدو جہد کا یہ عالم ہے تو پھر ہمیں کتنی محنت کی ضرورت ہے۔اگر ہم نے یہ دس دن بھی خوش گپیوں، میل ملاقاتوں، دعوتوں، موبائل فون، سوشل میڈیا اور سیاسی بکھیڑوں میں گزار دیئے تو پھر ایسا وقت ہمیں کب میسر آسکتا ہے۔بزرگان دین تو اپنی تمام تر نیک مصروفیات کو بھی محض اس وجہ سے ترک کر دیتے تھے تاکہ توجہ خالق سے ہٹ کر مخلوق کی طرف نہ چلی جائے۔دل و دماغ صرف اور صرف اپنے خالق و مالک کی طرف لگا رہے۔

ضرت ذوالنون مصریؒ فرماتے ہیں:''مومن کی خوشی اور لذت تنہائی میں اپنے مولیٰ کی بارگاہ میں عرض و نیاز کرنے میں ہے''۔(احیاء علوم الدین، ج2،ص249)

(۶) لیلۃ القدر :

ماہِ رمضان کے عشرِ اخیر میں ایک رات آتی ہے جسے لیلۃ القدر کے نام سے موسوم کیا گیا ہے، یہ عظیم الشان رات، اللہ تعالیٰ کا ایک عظیم الشان انعام ہے؛ کیونکہ فرمان باری تعالیٰ ہے: {وَمَآ أَدْرٰکَ مَا لَیْلَةُ الْقَدْرِ۔ لَیْلَةُ الْقَدْرِ خَیْرٌ مِّنْ أَلْفِ شَهْرٍ} اور تم کیا جانو لیلۃ القدر کیا ہے یہ ایک رات ہے (جس کی عبادت) ہزار مہینوں کی عبادت سے افضل ہے۔(القدر ۲:،۳)

سنن نسائی میں ابوھریرۃ رضی اللہ عنہ کی روایت سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمان منقول ہے:[من حرم خیرھا فقد حرم] یعنی جو لیلۃ القدر سے محروم ہو گیا وہ ہر خیر سے محروم ہے۔

عن ابی ھریرۃ رضی اللہ عنہ عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال: [من قام لیلۃ القدر ایمانا واحتسابا غفرلہ ما تقدم من ذنبہ] ابوھریرۃ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: [جس نے ایمان اور احتساب کے ساتھ لیلۃ القدر کا قیام کر لیا، اس کے تمام پچھلے گناہ معاف کر دیئے جائیں گے] (بخاری ومسلم)

ایک روایت میں آئندہ گناہوں کی معافی کا بھی ذکر ملتا ہے (مسند احمد)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے لیلۃ القدر کے بارہ میں فرمایا ہے:[تحروالیلۃ القدر فی الوتر من العشر الاواخر من رمضان] (رواہ البخاری من حدیثِ عائشۃ رضی اللہ عنھا ۲۰۱۷)

یعنی [شبِ قدر کو رمضان کے عشرِ اخیر کی طاق راتوں میں تلاش کرو]

اتنی بابرکت اور افضل رات کو پانے کیلئے ضروری ہے کہ عشرِ اخیر کی طاق راتیں مکمل طور پہ اللہ تعالیٰ کی عبادت واطاعت میں صرف کی جائیں، ان راتوں میں سونا یا لہو ولعب میں مشغول رہنا یا ان افضل ترین لمحات کو بازاروں میں عید کی خریداری کے بہانے ضائع کر دینا بہت بڑی محرومی ہے۔ان راتوں کی عبادت کیلئے چونکہ خلوت مطلوب ہے، نبی صلی اللہ علیہ وسلم اس قدر خلوت پسند فرماتے کہ پورا عشرہ اعتکاف میں چلے جاتے؛ لہٰذا ان راتوں میں تقاریر کے لمبے لمبے پروگرام، مذکورہ سنتِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے منافی ہونے کی وجہ سے محل نظر ہیں، البتہ ائمہ حضرات اگر مختصر اور جامع انداز سے اپنے نمازیوں کو ان راتوں کی اہمیت وافادیت سے مطلع کر دیں اور ترقیق قلوب کیلئے کچھ نصیحتیں کر دیں تو یہ زیادہ مستحسن ہوگا۔عشرِ اخیر کو یا تو اعتکاف کی خلوتوں میں گذارا جائے، اور اگر اعتکاف نہیں کر سکتے تو پھر اپنے گھر میں تنہائی

اختیار کرلی جائے، جس کا دوسرا فائدہ یہ ہوگا کہ اہلِ خانہ کی نگرانی بھی ہوجائے گی جیسا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا معمول تھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے اہل کو جگاتے تھے۔

(واللہ ولی التوفیق)

آپ کے گھر میں کوئی اہم مہمان آنے والا ہو تو آپ کی کوشش ہوگی کہ مہمان کی آمد سے قبل گھر کو اچھی طرح سجادیا جائے حتی کہ خادموں تک کو اچھا لباس پہنادیا جاتا ہے، لیلۃ القدر میں تو اللہ تعالیٰ کے فرشتے ہر گھر میں بطورِ مہمان داخل ہوتے ہیں، جن کی مطلوبہ زینت وسجاوٹ یہ ہوتی ہے کہ گھر کا ہر فرد اطاعت وعبادت میں مصروف ہو،

اگر ملائکہ گھر کے افراد کو سوتا ہوا یا ٹی وی کے سامنے بیٹھا ہوا یا کسی لہو ولعب میں ڈوبا ہوا پائیں تو یہ کتنی بڑی بدبختی اور محرومی ہوگی، یہ لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان کے مطابق ہر خیر سے محروم ہیں۔

واضح ہو کہ لیلۃ القدر کے تعلق سے رات کا آخری حصہ زیادہ قابل توجہ اور قابل اہتمام ہونا چاہئے، کیونکہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: {سَلَامٌ هِيَ حَتَّىٰ مَطْلَعِ الْفَجْرِ}

یعنی (شبِ قدر سراسر سلامتی والی رات ہے اور فجر کے طلوع ہونے تک رہتی ہے) لیلۃ القدر میں زیادہ اہمیت کے ساتھ جن امور پر توجہ دینی چاہئے ان میں قیام اللیل، تلاوتِ قرآن اور دعاء (بالخصوص استغفار) زیادہ قابل ذکر ہیں، قیام اللیل کی دلیل حدیثِ مذکور [من قام لیلۃ القدر......الحدیث] ہے، تلاوتِ قرآن کے حوالے سے بہت سے دلائل گزشتہ صفحات میں گزر چکے ہیں، دعاء اور استغفار کی دلیل یہ حدیث ہے:

عن عائشۃ رضی اللہ عنھا أنھا قالت للنبی صلی اللہ علیہ وسلم أرأیت إن وافقت لیلۃ القدر ما أقول فیھا؟ قال: قولی: [اللھم انک عفو تحب العفو فاعف عنی] (رواہ الترمذی فی الدعوات، والامام احمد فی مسندہ ۶/۱۷۱)

عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنھا نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا: اگر میں لیلۃ القدر کو پالوں تو کیا کہوں؟ فرمایا: [اللھم انک عفو تحب العفو فاعف عنی] کہنا، جس کا ترجمہ یہ ہے: [اے اللہ تو معاف کرنے والا ہے اور معافی کو پسند فرماتا ہے، پس مجھے

معاف فرمادے]

اس حدیث میں ایک اور اشارہ ملتا ہے اور وہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ معافی کو پسند فرماتا ہے، لہذا اس کی پسندیدگی اور رضاء

حاصل کرنے کیلئے اس سے خوب توبہ و استغفار کی جائے، نیز ایک اشارہ یہ بھی ملتا ہے کہ جب اللہ تعالیٰ کو معاف کر دینا پسند ہے تو ہمیں بھی اپنے اندر یہ وصف پیدا کرنا چاہیئے؛ تاکہ اللہ تعالیٰ مزید خوش ہو جائے، چنانچہ آج کی رات ایک مسلمان اپنے بھائیوں کو اللہ کی رضاء کیلئے دل سے معاف کر دے تو اس کا یہ عمل اللہ تعالیٰ کی محبت و رضاء کا موجب ہوگا۔ (واللہ المستعان)

حرفِ آخر

روزہ کے تعلق سے سب سے اہم مسئلہ اس کی حفاظت ہے، روزہ کی حالت میں اگر گناہوں سے یکسر پرہیز ہوگی تو فائدہ ہوگا۔

[عن ابی ھریرۃ رضی اللہ عنہ عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال: الصلوات الخمس والجمعۃ الی الجمعۃ ورمضان الی رمضان مکفرات ما بینھن اذا اجتنبت الکبائر] (رواہ مسلم)

ابوھریرۃ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: [پانچوں نمازوں، ایک جمعہ سے دوسرے جمعہ تک، اور ایک رمضان سے دوسرے رمضان تک کے وقفات گناہوں کا کفارہ ہیں، بشرطیکہ کبائر سے بچا جائے]

صحیح بخاری میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے: [من لم یدع قول الزور والعمل بہ فلیس للہ حاجۃ فی أن یدع طعامہ وشرابہ]

ترجمہ: [جو شخص روزے کی حالت میں قولِ زور (یعنی خلافِ شریعت بات) یا عمل زور (یعنی خلافِ شریعت کام) نہیں چھوڑتا تو اللہ تعالیٰ کو اس کے بھوکا اور پیاسا رہنے کی کوئی ضرورت نہیں]

صحیح بخاری ہی کی ایک اور حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمان منقول ہے:

[والصیام جنۃ واذا کان یوم صوم أحدکم فلا یرفث ولا یصخب فان سابہ احد أو قاتلہ فلیقل انی امرؤ صائم] یعنی [روزہ (گناہوں) سے ڈھال ہے جس دن تمہارا روزہ ہو کسی فسق وفجور کا ارتکاب نہ کرو نہ ہی چیخو اور چلاؤ حتی کہ اگر کوئی شخص تمہیں گالی دے یا تم سے لڑائی کرے تو اسے کہہ دو میں روزہ سے ہوں]

صحیح ابن حبان میں ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے مروی، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمان منقول ہے: [من صام رمضان وعرف حدودہ وتحفظ ما ینبغی لہ أن یتحفظ کفر ما قبلہ] یعنی [جو شخص روزے کی حدود کو پہچانتا ہوا روزہ رکھے، اور جن چیزوں کی روزے کی حالت میں حفاظت ضروری ہے ان کی حفاظت کرے، تو اس شخص کا روزہ اس کے سابقہ گناہوں کا کفارہ بن جائے گا]

روزہ کی حالت میں ہر قسم کے گناہ سے احتراز ہماری ضرورت ہے تا کہ ہمارے روزے کا ثواب مرتب ہو اور نتیجۃً ہمارے گناہ معاف ہو جائیں، اگر ایسا نہ ہو سکا تو جبرئیل علیہ الصلاۃ والسلام کی بدعاء اور اس پر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی آمین ایک انتہائی خطرناک وعید کو متضمن ہے۔ جنابِ جابر بن عبد اللہ الانصاری رضی اللہ عنہ فرمایا کرتے تھے:

(ترجمہ) "جب تم روزہ رکھو تو ضروری ہے کہ تمہارے کان، آنکھ اور زبان سب کا روزہ ہو، پڑوسیوں کو تکلیف نہ دو اور تم پر ایک خاص قسم کا سکون اور وقار ہو اور تمہارے روزے اور افطار کا دن برابر نہ ہوں"

صحیح ابن حبان کی ایک حدیث کے مطابق روزہ صرف کھانا پینا چھوڑ دینے کا نام نہیں بلکہ لغویات اور معاصی سے رکنا بھی ضروری ہے۔ محمد بن منکدر فرمایا کرتے تھے روزہ دار جب کسی کی غیبت کرتا ہے تو اس کے روزے میں ایک سوراخ پڑ جاتا ہے اور اگر وہ توبہ کرلے تو اس کی توبہ اس سوراخ کی رفو کر دیتی ہے۔ ابوھریرۃ رضی اللہ عنہ کا بھی قول ہے: وہ روزہ جہنم سے ڈھال بنتا ہے جس میں سوراخ نہ ہو، لوگوں نے پوچھا: سوراخ سے کیا مراد ہے، فرمایا: ہر قسم کے جھوٹ اور غیبت وغیرہ سے پاک ہونا۔

زکوۃ وصدقہ فطر

مفتی نجیب احمد قاسمی سنبھلی مدظلہ العالی کی تحقیق سے ماخوذ،

زکوۃ کی دو قسمیں ہیں:

زکوۃ المال:

یعنی مال کی زکوۃ، جو مال کی ایک خاص مقدار پر فرض ہے۔

زکوٰۃ کے معنیٰ:

زکوٰۃ کے معنی پاکیزگی، بڑھوتری اور برکت کے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

خُذْ مِنْ اَمْوَالِهِمْ صَدَقَةً تُطَهِّرُهُمْ وَتُزَكِّيْهِمْ بِهَا وَصَلِّ عَلَيْهِمْ

(سورۃ التوبہ)

اُن کے مال سے زکوٰۃ لو تا کہ ان کو پاک کرے اور بابرکت کرے اس کی وجہ سے، اور دعا دے ان کو۔ شرعی اصطلاح میں مال کے اُس خاص حصہ کو زکوٰۃ کہتے ہیں جس کو اللہ تعالیٰ کے حکم کے مطابق فقیروں، محتاجوں وغیرہ کو دے کر انہیں

مالک بنادیا جائے۔

زکوٰۃ کا حکم:

زکوٰۃ دینا فرض ہے۔قرآن کریم کی آیات اور حضور اکرم ﷺ کے ارشادات سے اِس کی فرضیت ثابت ہے۔قرآن وسنت کی روشنی میں امت مسلمہ کا اجماع ہے کہ جو شخص زکوٰۃ کے فرض ہونے کا انکار کرے وہ کافر ہے، اور زکوٰۃ کی ادائیگی نہ کرنے والا گناہ کبیرہ کا مرتکب ہے، جس پر آخرت میں سخت سزائیں دی جائیں گی اگر اللہ تعالیٰ نے اسے معاف نہیں فرمایا۔

زکوٰۃ کی فرضیت کب ہوئی؟:

زکوٰۃ کی فرضیت ابتداء اسلام میں ہی مکہ مکرمہ کے اندر نازل ہو چکی تھی، جیسا کہ مفسر قرآن ابن کثیرؒ نے سورۂ مزمل کی آیت فَاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتُوا الزَّكٰوةَ سے استدلال فرمایا ہے۔کیونکہ یہ سورۃ مکی ہے اور بالکل ابتداء وحی کے زمانہ کی سورتوں میں سے ہے۔البتہ احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ ابتداءِ اسلام میں زکوٰۃ کے لئے کوئی خاص نصاب یا خاص مقدار مقرر نہ تھی، بلکہ جو کچھ ایک مسلمان کی اپنی ضرورت سے بچ جاتا، اُس کا ایک بڑا حصہ اللہ کی راہ میں خرچ کیا جاتا تھا۔ نصاب کا تعین اور مقدارِ زکوٰۃ کا بیان مدینہ منورہ میں ہجرت کے بعد ہوا۔

زکوٰۃ نہ نکالنے پر وعید:

سورۂ توبہ میں اللہ تعالیٰ نے اُن لوگوں کے لئے بڑی سخت وعید بیان فرمائی ہے جو اپنے مال کی کما حقہ زکوٰۃ نہیں نکالتے۔اُن کے لئے بڑے سخت الفاظ میں خبر دی ہے، چنانچہ فرمایا:

وَالَّذِيْنَ يَكْنِزُوْنَ الذَّهَبَ وَالْفِضَّةَ وَلَا يُنْفِقُوْنَهَا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ فَبَشِّرْهُمْ بِعَذَابٍ اَلِيْمٍ يَّوْمَ يُحْمٰى عَلَيْهَا فِيْ نَارِ جَهَنَّمَ فَتُكْوٰى بِهَا جِبَاهُهُمْ وَجُنُوْبُهُمْ وَظُهُوْرُهُمْ هٰذَا مَا كَنَزْتُمْ لِاَنْفُسِكُمْ فَذُوْقُوْا مَا كُنْتُمْ تَكْنِزُوْنَ

جو لوگ سونا و چاندی جمع کر کے رکھتے ہیں اور ان کو اللہ کی راہ میں خرچ نہیں کرتے (یعنی زکوٰۃ نہیں نکالتے) تو (اے نبی) آپ ان کو ایک بڑے دردناک عذاب کی خبر سنا دیجئے۔دوسری آیت میں اُس دردناک عذاب کی تفصیل ذکر فرمائی کہ یہ دردناک عذاب اُس دن ہوگا جس دن سونے اور چاندی کو آگ میں تپایا جائے گا اور پھر اُس آدمی کی پیشانی، اُس کے پہلو اور اُس کی پشت کو داغا جائے گا اور اس سے یہ کہا جائے گا کہ یہ ہے وہ خزانہ جو تم نے اپنے لئے جمع کیا تھا، آج تم اس خزانے کا مزہ چکھو، جو تم اپنے لئے جمع کر رہے تھے۔اللہ تعالیٰ ہم سب کو اِس انجام بد سے محفوظ فرمائے، آمین۔آیت

میں كَنَزْتُمْ سے مراد وہ مال ہے جس کی زکوٰۃ ادا نہ کی گئی ہو۔
حضور اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا: جب مال میں زکوٰۃ کی رقم شامل ہو جائے (یعنی زکوٰۃ کی ادائیگی نہیں کی گئی یا پوری زکوٰۃ نہیں نکالی بلکہ کچھ زکوٰۃ نکالی اور کچھ رہ گئی) تو وہ مال انسان کے لئے تباہی اور ہلاکت کا سبب ہے۔ (مجمع الزوائد) لہٰذا اس بات کا اہتمام کیا جائے کہ ایک ایک روپے کا صحیح حساب کر کے زکوٰۃ ادا کی جائے۔

زکوٰۃ کے فوائد:

زکوٰۃ ایک عبادت ہے اور اللہ کا حکم ہے۔ زکوٰۃ نکالنے سے ہمیں کوئی فائدہ ملے یا نہ ملے، اللہ کے حکم کی اطاعت بذاتِ خود مقصود ہے۔ زکوٰۃ کی ادائیگی کا اصل مقصد اللہ کی اطاعت ہے، لیکن اللہ کا کرم ہے کہ جب کوئی بندہ زکوٰۃ نکالتا ہے تو اللہ اُس کو دنیاوی فوائد بھی عطا فرماتا ہے، اُن فوائد میں سے یہ بھی ہے کہ زکوٰۃ کی ادائیگی باقی مال میں برکت، اضافہ اور پاکیزگی کا سبب بنتی ہے۔ چنانچہ قرآن کریم (سورۃ البقرہ) میں اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: اللہ سود کو مٹاتا ہے اور زکوٰۃ اور صدقات کو بڑھاتا ہے۔ حضور اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جب کوئی بندہ خرچ کرتا ہے (زکوٰۃ نکالتا ہے) تو فرشتے اُس کے حق میں دعا کرتے ہیں کہ اے اللہ! جو شخص اللہ کے راستے میں خرچ کر رہا ہے اس کو اور زیادہ عطا فرما، اور اے اللہ جس شخص نے اپنے مال کو روک کر رکھا ہے (یعنی زکوٰۃ ادا نہیں کر رہا ہے) تو اے اللہ اس کے مال پر ہلاکت ڈال دے۔ (صحیح بخاری وصحیح مسلم) اسی طرح حضور اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا: کوئی صدقہ کسی مال میں کمی نہیں کرتا ہے۔ (صحیح مسلم(

زکوٰۃ کس پر فرض ہے؟:

اُس مسلمان عاقل بالغ پر زکوٰۃ فرض ہے جو صاحبِ نصاب ہو۔ نصابِ کا اپنی ضرورتوں سے زیادہ اور قرض سے بچا ہوا ہونا شرط ہے، نیز مال پر ایک سال کا گزرنا بھی ضروری ہے۔ لہٰذا معلوم ہوا کہ جس کے پاس نصاب سے کم مال ہے، یا مال تو نصاب کے برابر ہے لیکن وہ قرض دار بھی ہے یا مال سال بھر تک باقی نہیں رہا تو ایسے شخص پر زکوٰۃ فرض نہیں ہے۔

زکوٰۃ کا نصاب:

52.5 تولہ چاندی یا 7.5 تولہ سونا یا اُس کی قیمت کا نقد روپیہ یا زیور یا سامانِ تجارت وغیرہ جس شخص کے پاس موجود ہے اور اُس پر ایک سال گزر گیا ہے تو اُس کو "صاحبِ نصاب" کہا جاتا ہے۔

سونے یا چاندی کے زیورات پر زکوٰۃ:

خیر القرون سے عصر حاضر تک کے جمہور علماء وفقہاء ومحدثین، قرآن وسنت کی روشنی میں عورتوں کے سونے یا چاندی کے استعمالی زیور پر وجوب زکوٰۃ کے قائل ہیں، اگر وہ زیور نصاب کے مساوی یا زائد ہو اور اس پر ایک سال بھی گزر گیا ہو، جس کے مختلف دلائل پیش کئے جاتے ہیں:

:1 قرآن وسنت کے وہ عمومی حکم جن میں سونے یا چاندی پر بغیر کسی (استعمالی یا غیر استعمالی) شرط کے زکوٰۃ واجب ہونے کا ذکر ہے اور ان آیات واحادیث شریفہ میں زکوٰۃ کی ادائیگی میں کوتاہی کرنے پر سخت ترین وعیدیں وارد ہوئی ہیں۔ متعدد آیات واحادیث میں یہ عموم ملتا ہے۔ سورۃ التوبہ کا ذکر کر چکا ہوں جس میں سونا یا چاندی پر زکوٰۃ نہ نکالنے والوں کو دردناک عذاب کی خبر دی گئی ہے۔ نیز حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

مَا مِنْ صَاحِبِ ذَهَبٍ وَلَا فِضَّةٍ لَا يُؤَدِّي مِنْهَا حَقَّهَا إِلَّا إِذَا كَانَ يَوْمُ الْقِيَامَةِ صُفِّحَتْ لَهُ صَفَائِحُ مِنْ نَارٍ فَأُحْمِيَ عَلَيْهَا فِي نَارِ جَهَنَّمَ فَيُكْوَى بِهَا جَنْبُهُ وَجَبِينُهُ وَظَهْرُهُ كُلَّمَا رُدَّتْ أُعِيدَتْ لَهُ فِي يَوْمٍ كَانَ مِقْدَارُهُ خَمْسِينَ أَلْفَ سَنَةٍ حَتَّى يُقْضَى بَيْنَ الْعِبَادِ فَيَرَى سَبِيلَهُ إِمَّا إِلَى الْجَنَّةِ وَإِمَّا إِلَى النَّارِ

(مسلم، کتاب الزکوٰۃ، باب فیمن لا یو دی الزکوٰۃ)

کوئی شخص جو سونے یا چاندی کا مالک ہو اور اس کا حق (یعنی زکوٰۃ) ادا نہ کرے تو کل قیامت کے دن اس سونے وچاندی کے پترے بنائے جائیں گے اور ان کو جہنم کی آگ میں ایسا تپایا جائے گا گویا کہ وہ خود آگ کے پترے ہیں۔ پھر اس سے اس شخص کا پہلو، پیشانی اور کمر داغی جائے گی اور قیامت کے پورے دن میں جس کی مقدار پچاس ہزار سال ہوگی، بار بار اسی طرح تپا تپا کر داغ دئے جاتے رہیں گے، یہاں تک کہ ان کے لئے جنت یا جہنم کا فیصلہ ہوجائے۔

اس آیت وحدیث میں عمومی طور پر سونے یا چاندی پر زکوٰۃ کی عدم ادائیگی پر دردناک عذاب کی خبر دی گئی ہے خواہ وہ استعمالی زیور ہوں یا تجارتی سونا وچاندی۔

:2 حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ ایک عورت حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئی۔ اس کے ساتھ اس کی بیٹی تھی جو دو سونے کے بھاری کنگن پہنے ہوئے تھی۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ نے اس عورت سے کہا کہ کیا تم اس کی زکوٰۃ ادا کرتی ہو؟ اس عورت نے کہا: نہیں۔ تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کیا تم چاہتی ہو کہ اللہ تعالیٰ ان کی وجہ سے کل قیامت کے دن آگ کے کنگن تمہیں پہنائے۔ تو اس عورت نے وہ دونوں کنگن اتار کر نبی اکرم

صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں اللہ کے راستے میں خرچ کرنے کے لئے پیش کردیے۔
(ابوداؤد، کتاب الزکوٰۃ، باب الکنز ماھو وزکوۃ الحلی۔ مسند احمد۔ ترمذی۔ دارقطنی)

:3 حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم میرے پاس تشریف لائے اور میرے ہاتھ میں چھلا دیکھ کر مجھ سے کہا کہ اے عائشہ! یہ کیا ہے؟ میں نے کہا : اے اللہ کے رسول! یہ میں نے آپ کیلئے زینت حاصل کرنے کی غرض سے بنوایا ہے۔ تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے کہا : کیا تم اس کی زکوٰۃ ادا کرتی ہو؟ میں نے کہا : نہیں۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا : تو پھر یہ تمہیں جہنم میں لے جانے کے لئے کافی ہے۔ (ابوداؤد، دارقطنی) امام خطابیؒ نے (معالم السنن 3/172) میں ذکر کیا ہے کہ غالب گمان یہ ہے کہ چھلا تنہا نصاب کو نہیں پہنچتا، اس کے معنیٰ یہ ہیں کہ اس چھلے کو دیگر زیورات میں شامل کیا جائے، نصاب کو پہنچنے پر زکوٰۃ کی ادائیگی کرنی ہوگی۔ امام سفیان ثوریؒ نے بھی یہی توجیہ ذکر کی ہے۔

:4 حضرت اسماء بنت زید رضی اللہ عنہا روایت کرتی ہیں کہ میں اور میری خالہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئیں، ہم نے سونے کے کنگن پہن رکھے تھے۔ تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے کہا : کیا تم اس کی زکوٰۃ ادا کرتی ہو؟ ہم نے کہا : نہیں۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کیا تم ڈرتی نہیں کہ کل قیامت کے دن اللہ تعالیٰ ان کی وجہ سے آگ کے کنگن تمہیں پہنائے؟ لہٰذا ان کی زکوٰۃ ادا کرو۔ (مسند احمد) متعدد احادیث صحیحہ میں زیورات پر زکوٰۃ کے واجب ہونے کا ذکر ہے، یہاں طوالت سے بچنے کے لئے صرف تین احادیث ذکر کی گئی ہیں۔

برصغیر کے جمہور علماء کرام نے بھی قرآن وحدیث کی روشنی میں یہی تحریر کیا ہے کہ استعمالی زیور میں نصاب کو پہنچنے پر زکوٰۃ واجب ہے۔ سعودی عرب کے سابق مفتی عام شیخ عبدالعزیز بن باز رحمہ اللہ کی بھی قرآن وسنت کی روشنی میں یہی رائے ہے کہ استعمالی زیور پر زکوٰۃ واجب ہے۔

اصولی بات:

قرآن کریم میں جہاں کہیں بھی سونے یا چاندی پر زکوٰۃ کی ادائیگی نہ کرنے پر سخت وعیدیں وارد ہوئی ہیں کسی ایک جگہ بھی استعمالی یا تجارتی سونے میں کوئی فرق نہیں کیا گیا ہے۔ نیز استعمالی زیور کو زکوٰۃ سے مستثنیٰ کرنے کے لئے کوئی غیر قابل نقد وجرح حدیث احادیث کے ذخیرہ میں نہیں ملتی ہے، بلکہ بعض احادیث صحیحہ استعمالی زیور پر زکوٰۃ واجب ہونے کی

واضح طور پر رہنمائی کر رہی ہیں۔ نیز استعمالی زیور پر زکوٰۃ کے واجب قرار دینے کے لئے اگر کوئی حدیث نہ بھی ہو تو قرآن کریم کے عمومی حکم کی روشنی میں ہمیں ہر طرح کے سونے و چاندی پر زکوٰۃ ادا کرنی چاہیئے خواہ اس کا تعلق استعمال سے ہو یا نہ ہو، تاکہ کل قیامت کے دن رسوائی، ذلت اور دردناک عذاب سے بچ سکیں۔ نیز استعمالی زیور پر زکوٰۃ کے واجب قرار دینے میں غریبوں، مسکینوں، یتیموں اور بیواؤں کا فائدہ ہے تاکہ دولت چند گھروں میں نہ سمٹے بلکہ ہم اپنے معاشرہ کو اس رقم سے بہتر بنانے میں مدد حاصل کریں۔

زکوٰۃ کتنی ادا کرنی ہے؟:

اوپر ذکر کئے گئے نصاب پر صرف ڈھائی فیصد (2.5٪) زکوٰۃ ادا کرنی ضروری ہے۔ شریعت اسلامیہ نے دنیا کے موجودہ نظام کی طرح آمدنی پر ٹیکس نہیں لگایا یعنی اگر آپ کی لاکھوں روپئے کی آمدنی ہے لیکن وہ خرچ ہوجاتے ہیں تو کوئی زکوٰۃ واجب نہیں، بلکہ ضروریات زندگی سے بچنا، بچے ہوئے مال کا نصاب کو پہنچنا اور اس پر ایک سال کا گزرنا وجوب زکوٰۃ کے لئے ضروری ہے۔

سامان تجارت میں کیا کیا داخل ہے؟:

مال تجارت میں ہر وہ چیز شامل ہے جس کو آدمی نے بیچنے کی غرض سے خریدا ہو۔ لہذا جو لوگ انویسمنٹ کی غرض سے پلاٹ خرید لیتے ہیں اور شروع ہی سے یہ نیت ہوتی ہے کہ جب اچھے پیسے ملیں گے تو فروخت کرکے اس سے نفع کمائیں گے، تو اس پلاٹ کی مالیت پر بھی زکوٰۃ واجب ہے لیکن پلاٹ اِس نیت سے خریدا کہ اگر موقع ہوا تو اس پر رہائش کے لئے مکان بنوالیں گے یا موقع ہوگا تو اسکو کرائے پر چڑھادیں گے یا کبھی موقع ہوگا تو اسے فروخت کردیں گے یعنی کوئی واضح نیت نہیں ہے بلکہ ویسے ہی خرید لیا ہے، تو اس صورت میں اس پلاٹ کی قیمت پر زکوٰۃ واجب نہیں ہے۔

کس دن کی مالیت معتبر ہوگی؟

زکوٰۃ کی ادائیگی کے لئے اُس دن کی قیمت کا اعتبار ہوگا جس دن آپ زکوٰۃ کی ادائیگی کے لئے اپنے مال کا حساب لگا رہے ہیں۔ یعنی زیورات کی زکوٰۃ میں زکوٰۃ کی ادائیگی کے وقت پرانے سونے کے بیچنے کی قیمت کا اعتبار ہوگا۔ یعنی آپ کے پاس جو زیورات موجود ہیں اگر ان کو مارکیٹ میں بیچیں تو وہ کتنے میں فروخت ہوں گے، اس قیمت کے اعتبار سے زکوٰۃ ادا کرنی ہوگی۔

ہر ہر روپے پر سال کا گزرنا ضروری نہیں:

ایک سال مال پر گزر جائے۔ اس کا مطلب یہ نہیں کہ ہر سال ہر ہر روپے پر مستقل سال گزرے۔ یعنی گزشتہ سال رمضان میں اگر آپ 5 لاکھ روپے کے مالک تھے، جس پر ایک سال بھی گزر گیا تھا۔ زکوٰۃ ادا کر دی گئی تھی۔ اِس سال رمضان تک جو رقم آتی جاتی رہی اُس کا کوئی اعتبار نہیں، بس اِس رمضان میں دیکھ لیں کہ آپ کے پاس اب کتنی رقم ضروریات سے بچ گئی ہے، اور اُس رقم پر زکوٰۃ ادا کر دیں۔ مثلاً اِس رمضان میں ۶ لاکھ روپے آپ کے پاس ضروریات سے بچ گئے ہیں تو ۶ لاکھ کا 2.5 فیصد زکوٰۃ ادا کر دیں۔ ہاں اگر کوئی قابل ذکر رقم روٹین کے علاوہ دستیاب ہوئی ہے تو اس کی زکوٰۃ اس کے سال مکمل ہونے پر ہی ادا کرنی ہوگی۔

زکوٰۃ اور رمضان:

زکوٰۃ کا رمضان میں ہی نکالنا ضروری نہیں ہے بلکہ اگر ہمیں صاحب نصاب بننے کی تاریخ معلوم ہے تو ایک سال گزرنے پر فوراً زکوٰۃ کی ادائیگی کر دینی چاہئے خواہ کوئی سا بھی مہینہ ہو۔ مگر لوگ اپنے صاحب نصاب بننے کی تاریخ سے عموماً ناواقف ہوتے ہیں اور رمضان میں ایک نیکی کا اجر ستر گنا ملتا ہے تو اس لئے لوگ رمضان میں زکوٰۃ کی ادائیگی کا اہتمام کرتے ہیں اور پھر ہر سال رمضان میں ہی زکوٰۃ ادا کرتے ہیں۔ زکوٰۃ ایک سال مکمل ہونے سے قبل بھی نکالی جا سکتی ہے اور اگر کسی وجہ سے کچھ تاخیر ہو جائے تو بھی زکوٰۃ ادا ہو جائے گی، لیکن قصداً تاخیر کرنا صحیح نہیں ہے۔

مستحقین زکوٰۃ یعنی زکوٰۃ کس کو ادا کریں؟

اللہ تعالیٰ نے سورۃ التوبہ میں 8 مستحقین زکوٰۃ کا ذکر کیا ہے:

:1 فقیر یعنی وہ شخص جس کے پاس کچھ تھوڑا مال و اسباب ہے لیکن نصاب کے برابر نہیں۔

:2 مسکین یعنی وہ شخص جس کے پاس کچھ بھی نہ ہو۔

:3 جو کارکن زکوٰۃ وصول کرنے پر متعین ہیں۔

:4 جن کی دلجوئی کرنا منظور ہو۔

:5 وہ غلام جس کی آزادی مطلوب ہو۔

:6 قرضدار یعنی وہ شخص جس کے ذمہ لوگوں کا قرض ہو اور اُس کے پاس قرض سے بچا ہوا بقدر نصاب کوئی مال نہ ہو۔

:7 اللہ کے راستے میں جہاد کرنے والا۔

:8 مسافر جو حالت سفر میں تنگدست ہوگیا ہو۔

جن لوگوں کو زکوٰۃ دینا جائز نہیں ہے:

:1 اُس شخص کو جس کے پاس ضروریاتِ اصلیہ سے زائد بقدرِ نصاب مال موجود ہو۔

:2 سید اور بنی ہاشم۔ بنی ہاشم سے حضرت حارثؓ بن عبد المطلب، حضرت جعفرؓ، حضرت عقیلؓ، حضرت عباسؓ اور حضرت علیؓ کی اولاد مراد ہیں۔

:3 اپنے ماں، باپ، دادا، دادی، نانا، نانی کو زکوٰۃ دینا جائز نہیں ہے۔

:4 اپنے بیٹے، بیٹی، پوتا، پوتی، نواسہ، نواسی کو زکوٰۃ دینا جائز نہیں ہے۔

:5 کافر کو زکوٰۃ نہیں دی جاسکتی ہے۔

نوٹ : بھائی، بہن، بھتیجا، بھتیجی، بھانجا، بھانجی، چچا، پھوپھی، خالہ، ماموں، ساس، سسر، داماد وغیرہ میں سے جو حاجتمند اور مستحق زکوٰۃ ہوں، انہیں زکوٰۃ دینے میں دوہرا ثواب ملتا ہے، ایک ثواب زکوٰۃ کا اور دوسرا صلہ رحمی کا، اسی طرح علما اور طلبا کو زکوٰۃ دینے میں بھی دوہرا ثواب ہے، ایک ثواب زکوٰۃ کا اور دین اسلام کی نشر واشاعت میں تعاون کا۔

زکوٰۃ سے متعلق چند متفرق مسائل:

اگر کسی شخص کے پاس سونے یا چاندی کے علاوہ نقدی یا بینک بیلینس بھی ہے تو ان پر بھی زکوٰۃ ادا کرنی ہوگی، البتہ دو بنیادی شرطیں ہیں:

:1 نصاب کے مساوی یا زائد ہو۔ :2 ایک سال گزر گیا ہو۔

ڈائمنڈز زکوٰۃ واجب نہ ہونے پر امت مسلمہ متفق ہے، کیونکہ شریعت اسلامیہ نے اس کو قیمتی پتھروں میں شمار کیا ہے۔

ہاں اگر یہ تجارت کی غرض کے لئے ہوں تو پھر نصاب کے برابر یا زیادہ ہونے کی صورت میں زکوٰۃ واجب ہوگی۔

زکوٰۃ جس کو دی جائے اُسے یہ بتانا کہ یہ مالِ زکوٰۃ ہے ضروری نہیں بلکہ کسی غریب کے بچوں کو عیدی یا کسی اور نام سے دے دینا بھی کافی ہے۔

علما اور طالب علموں کو زکوٰۃ دینے میں زیادہ ثواب ہے۔

زکوٰۃ کی رقم کو مساجد، مدارس، ہسپتال، یتیم خانے اور مسافر خانے کی تعمیر میں صرف کرنا جائز نہیں ہے۔ اگر عورت بھی صاحبِ نصاب ہے تو اس پر بھی زکوٰۃ فرض ہے، البتہ اگر شوہر خود ہی عورت کی طرف سے بھی زکوٰۃ کی ادائیگی اپنے مال سے کر دے تو زکوٰۃ ادا ہو جائے گی۔

زکواۃ الفطر :

یعنی بدن کی زکواۃ، اس کو صدقہ فطر کہا جاتا ہے۔ اس آگے آرہی ہے۔

صدقہ فطر کیا ہے؟

فطر کے معنی روزہ کھولنے یا روزہ نہ رکھنے کے ہیں۔ شرعی اصطلاح میں اس صدقہ کا نام صدقہ فطر ہے جو ماہ رمضان کے ختم ہونے پر روزہ کھل جانے کی خوشی اور شکریہ کے طور پر ادا کیا جاتا ہے، نیز صدقہ فطر رمضان کی کوتاہیوں اور غلطیوں کا کفارہ بھی بنتا ہے، جیسا کہ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا : " صدقہ فطر روزہ دار کی بیکار بات اور فحش گوئی سے روزے کو پاک کرنے کے لئے اور مساکین کو کھانا کھلانے کے لئے مقرر کیا ہے۔ ابو داؤد ح ۱۶۰۶، ابن ماجہ ح ۱۸۷۲۔

صدقہ فطر مقرر ہونے کی وجہ :

عید الفطر میں صدقہ فطر اس واسطے مقرر کیا گیا ہے کہ اس میں روزہ داروں کے لئے گناہوں سے پاکیزگی اور ان کے روزوں کی تکمیل ہے۔ نیز مالداروں کے گھروں میں تو اس روز عید ہوتی ہے مختلف قسم کے پکوان پکتے ہیں، اچھے کپڑے پہنے جاتے ہیں، جبکہ غریبوں کے گھروں میں بوجہ غربت اسی طرح روزہ کی شکل موجود ہوتی ہے، لہٰذا اللہ تعالیٰ نے مالدار لوگوں پر لازم ٹھرایا کہ غریبوں کو عید سے پہلے صدقہ فطر دے دیں تاکہ وہ بھی خوشیوں میں شریک ہوسکیں، وہ بھی کھا پی سکیں اور اچھا پہن سکیں۔

صدقہ فطر کا وجوب :

متعدد احادیث سے صدقہ فطر کا وجوب ثابت ہے، اختصار کے مدنظر تین احادیث پر اکتفا کیا جاتا ہے؛

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صدقہ فطر مسلمانوں پر واجب قرار دیا ہے خواہ وہ غلام ہو یا آزاد، مرد ہو یا عورت، چھوٹا ہو یا بڑا۔ بخاری، مسلم، دارقطنی

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے رمضان کے آخر میں ارشاد فرمایا کہ اپنے روزوں کا صدقہ نکالو۔ابوداؤد

اسی طرح حدیث میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مکہ مکرمہ کی گلیوں میں ایک منادی کو اعلان کرنے کے لئے بھیجا تھا کہ صدقہ فطر ہر مسلمان پر واجب ہے خواہ وہ مرد ہو یا عورت، آزاد ہو یا غلام، چھوٹا ہو یا بڑا۔ترمذی

صدقہ فطر کس پر واجب ہے؟

جو مسلمان اتنا مالدار ہے کہ ضروریات سے زائد اُس کے پاس اُتنی قیمت کا مال واسباب موجود ہے جتنی قیمت پر زکواۃ واجب ہوتی ہے تو اُس پر عیدالفطر کے دن صدقہ فطر واجب ہے، چاہے وہ مال واسباب تجارت کے لئے ہو یا نہ ہو، چاہے اُس پر سال گزرے یا نہیں۔غرضیکہ صدقہ فطر کے وجوب کے لئے زکواۃ کے فرض ہونے کے فرض ہونی کی تمام شرائط پائی جانی ضروری نہیں ہیں۔بعض علماء کے نزدیک صدقہ فطر کے وجوب کے لئے نصاب زکواۃ کا مالک ہونا بھی شرط نہیں ہے، یعنی جس کے پاس ایک دن اور ایک رات سے زائد کی خوراک اپنے اور زیر کفالت لوگوں کے لئے ہو تو وہ اپنی طرف سے اور اپنے اہل وعیال کی طرف سے صدقہ فطر ادا کرے۔

صدقہ فطر کے واجب ہونے کا وقت:

عیدالفطر کے دن صبح صادق ہوتے ہی یہ صدقہ واجب ہو جاتا ہے۔لہذا جو شخص صبح صادق ہونے سے پہلے ہی انتقال کر گیا تو اُس پر صدقہ فطر واجب نہیں ہے اور جو بچہ صبح صادق سے پہلے پیدا ہوا ہے اُسکی طرف سے ادا کیا جائے گا۔

صدقہ فطر کی ادائیگی کا وقت:

صدقہ فطر کی ادائیگی کا اصل وقت عیدالفطر کے دن نماز عید سے پہلے ہے، البتہ رمضان کے آخر میں کسی بھی وقت ادا کیا جا سکتا ہے۔

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا کہ صدقہ فطر نماز کے لئے جانے سے قبل ادا کر دیا جائے۔بخاری ح ۱۵۰۹، مسلم ح ۲۲۸۵۔

حضرت نافع رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت عبداللہ بن رضی اللہ عنہ عمر گھر کے چھوٹے بڑے تمام افراد کی طرف سے صدقہ فطر دیتے تھے حتی کہ میرے بیٹوں کی طرف سے بھی دیتے تھے اور ابن عمران لوگوں کو دیتے تھے جو قبول کرتے

اورعید الفطر سے ایک یا دو دن پہلے ہی ادا کرتے تھے، بخاری ح ۱۵۱۱۔
نماز عید الفطر کی ادائیگی تک صدقہ فطر ادا نہ کرنے کی صورت میں نماز عید کے بعد بھی قضاء کے طور پر دے سکتے ہیں۔لیکن زیادہ تاخیر کرنا بالکل مناسب نہیں کیونکہ اس سے صدقہ فطر کا مقصود اور مطلوب ہی فوت ہو جاتا ہے۔حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کی حدیث کے الفاظ ہیں کہ جس نے اسے نماز عید سے پہلے ادا کر دیا تو یہ قابل قبول زکواۃ ہوگی اور جس نے نماز کے بعد ادا کیا تو وہ صرف صدقات میں سے ایک صدقہ ہی ہے، ابو داؤد ح ۱۶۰۶۔

صدقہ فطر کی مقدار:

کھجور اور کشمش کو صدقہ فطر میں دینے کی صورت میں علماء امت کا اتفاق ہے کہ اس میں ایک صاع جو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ کا ایک پیمانہ ہے صدقہ فطر ادا کرنا ہے، البتہ گیہوں کو صدقہ فطر میں دینے کی صورت میں اس کی مقدار کے متعلق علماء امت میں اختلاف ہے اور یہ اختلاف صحابہ کرام رضوان اللہ تعالی اجمعین کے زمانے سے چلا آرہا ہے۔
ایک رائے یہ ہے کہ گیہوں میں بھی ایک صاع صدقہ فطر ادا کرنا ہوگا جبکہ علماء امت کی دوسری رائے ہے کہ گیہوں میں آدھا صاع صدقہ فطر میں ادا کیا جائے۔حضرت عثمان، حضرت ابو ہریرہ، حضرت جابر، حضرت عبد اللہ بن عباس، حضرت عبد اللہ بن زبیر، اور اسماء رضی اللہ عنہم سے صحیح سندوں کے ساتھ گیہوں میں آدھا صاع مروی ہے۔ہندوستان و پاکستان کے بیشتر علماء بھی مندرجہ ذیل احادیث کی روشنی میں فرماتے ہیں کہ صدقہ فطر میں گیہوں آدھا صاع ہے، یہی رائے مشہور ومعروف تابعی حضرت امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کی ہے۔علامہ ابن تیمیہ رحمہ اللہ نے بھی تحریر کیا ہے کہ صدقہ فطر میں آدھا صاع گیہوں نکالنا کافی ہے الاختیارات الفقہیہ ص ۱۸۳۔

صدقہ فطر میں آدھا صاع گیہوں والے قول کو اختیار کرنے کے بعض دلائل:

حضرت ابو سعید الخدری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ہم جو یا کھجور یا کشمش یا پنیر سے ایک صاع صدقہ فطر دیا کرتے تھے، یہاں تک کہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ مدینہ منورہ تشریف لائے تو لوگوں نے گیہوں سے صدقہ فطر نکالنے کے سلسلے میں ان سے گفتگو کی تو آپ نے فرمایا کہ گیہوں سے صدقہ فطر میں آدھا صاع دیا جائے، چنانچہ لوگوں نے اسی کو معمول بنا لیا۔بخاری ومسلم
صحیح مسلم کی سب سے زیادہ مشہور ومعروف شرح لکھنے والے، ریاض الصالحین کے مصنف امام نووی رحمہ اللہ مسلم کی

شرح میں تحریر کرتے ہیں کہ اسی حدیث کی بنیاد پر حضرت امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ اور دیگر فقہاء نے گیہوں سے آدھا صاع کا فیصلہ کیا ہے۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: گیہوں کے ایک صاع سے دو آدمیوں کا صدقہ فطر ادا کرو۔ کھجور اور جو کے ایک صاع سے ایک آدمی کا صدقہ فطر ادا کرو، دارقطنی، مسند احمد۔

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے صدقہ فطر میں ایک صاع کھجور یا ایک صاع جو ضروری قرار دی۔ صحابہ کرام نے گیہوں کے آدھے صاع کو اس کے برابر قرار دیا، بخاری ومسلم۔

حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ صدقہ فطر ہر چھوٹے بڑے اور آزاد وغلام پر گیہوں کا آدھا صاع اور کھجور وجو کا ایک صاع ضروری ہے، اخرجہ عبدالرزاق بسند صحیح۔

حضرت اسماء رضی اللہ عنہا صدقہ فطر میں گیہوں کا آدھا صاع اور کھجور وجو کا ایک صاع ادا کرتی تھیں، اخرجہ ابن ابی شیبہ

غرضیکہ علماء امت کے اس قول کے مطابق تقریباً پونے دو کلو احتیاطاً دو کلو گیہوں صدقہ فطر میں ادا کرنا ہوگا۔

کیا گیہوں کے بدلے قیمت دی جاسکتی ہے؟

صدقہ فطر میں گیہوں کی قیمت ادا کرنے میں بھی علماء امت کا زمانہ قدیم سے اختلاف چلا آرہا ہے۔ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ، امام بخاری رحمہ اللہ، حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ، حضرت حسن بصری رحمہ اللہ، علماء احناف رحمہ اللہ اور علامہ ابن تیمیہ رحمہ اللہ نے تحریر کیا ہے کہ گیہوں کی قیمت بھی صدقہ فطر میں دی جاسکتی ہے۔

زمانہ کی ضرورت کو دیکھتے ہوئے اب تقریباً تمام ہی علماء کرام نے تسلیم کیا ہے کہ عصر حاضر میں غلہ واناج کے بدلے قیمت بھی دی جاسکتی ہے۔

صدقہ فطر میں گیہوں کی قیمت دینے والے حضرات تقریباً پونے دو کلو گیہوں کی قیمت بازار کے بھاؤ کے اعتبار سے صدقہ فطر میں ادا کریں۔

صدقہ فطر کے مستحق کون ہیں یعنی صدقہ فطر کس کو دیا جائے؟

صدقہ فطر غریب وفقیر مساکین کو دیا جائے، جیسا کہ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کی حدیث میں گزرا۔

متفرق مسائل:

ایک شہر سے دوسرے شہر میں صدقہ فطر بھیجنا مکروہ ہے۔ یعنی جہاں آپ رہ رہے ہیں مثلاً کراچی میں تو وہیں صدقہ فطر ادا کریں، ہاں اگر دوسرے شہر یا دوسرے ملک میں اُس کے غریب رشتہ دار رہتے ہیں یا وہاں کے لوگ زیادہ مستحق ہیں تو اُن کو بھیج دینا مکروہ نہیں ہے۔

کئی آدمیوں کا صدقہ فطر ایک فقیر کو دیا جا سکتا ہے۔

جس شخص نے کسی وجہ سے رمضان المبارک کے روزے نہیں رکھے، اس پر بھی صدقہ فطر واجب ہے۔

آجکل جو نوکر چاکر اجرت پر کام کرتے ہیں ان کی طرف سے صدقہ فطر ادا کرنا مالک پر واجب نہیں ہے۔

فائدہ:

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں بلکہ آج سے ۱۵۰ یا ۲۰۰ سال پہلے تک ناپنے اور تولنے کے لئے کوئی خاص پیمانہ موجود نہیں تھا جو ہر جگہ پر ایک ہی سائز میں مہیا ہوتا۔ صاع بھی ایک پیمانہ ہے جو عموماً بالٹی وغیرہ کی شکل کا ہوتا تھا، جس میں عام طور پر چار مرتبہ دونوں ہاتھ بھر کر کوئی سامان رکھا جاتا تھا، لیکن اُس زمانہ میں یہ پیمانہ کسی فیکٹری میں تیار نہیں ہوتا تھا کہ سب بالکل ایک ہی سائز کے ہوں بلکہ یہ پیمانہ تھوڑا چھوٹا یا بڑا بھی ہوتا تھا، جیسا کہ ہمارے علاقوں میں آج بھی ریت اور بدر پور وغیرہ فروخت کرنے کے لئے لوگ ایک بالٹی کا پیمانہ بنالیتے ہیں۔ اس صاع کے پیمانہ کو موجودہ رائج کلو گرام کے پیمانہ سے موازنہ کیا گیا تو علماء ومؤرخین میں اختلاف ہوا، اور اختلاف کا ہونا بدیہی بات ہے۔ چنانچہ ایک صاع اور آدھا صاع کو کلو گرام سے موازنہ کرنے پر اختلاف پیدا ہوا۔

بخاری ومسلم میں حدیث ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ صدقہ فطر میں ایک صاع جو یا ایک صاع کھجور یا ایک صاع کشمش یا ایک صاع پنیر یا ایک صاع کھانے کی اشیاء سے دیا جائے، اور کھانے کی اشیاء سے مراد جو یا کھجور یا پنیر یا کشمش ہے جیسا کہ اس حدیث کے خود راوی صحابی رسول صلی اللہ علیہ وسلم حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ نے حدیث کے آخر میں وضاحت کی ہے لیکن اس میں کسی بھی جگہ گیہوں کا تذکرہ نہیں ہے، غرضیکہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اقوال میں کسی بھی جگہ مذکور نہیں ہے کہ گیہوں سے ایک صاع دیا جائے، ہاں حدیث کی ہر مشہور ومعروف کتاب حتی کہ بخاری و مسلم میں موجود ہے کہ صدقہ فطر میں گیہوں دینے کی صورت میں صحابہ کرام آدھا صاع یعنی تقریباً پونے دو کلو گیہوں دیا کرتے تھے جیسا کہ مندرجہ بالا احادیث میں مذکور ہے۔

التماس! یہ ماہِ صیام جس کا ہر لمحہ گناہوں کی بخشش کا باعث بن سکتا ہے، اگر ہم یوں ہی گزار دیں، اس مبارک مہینہ کو پالینے کے باوجود، جوں کے توں گناہوں میں لت پت رہیں تو احادیث رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی روشنی میں ہم ہر خیر سے محروم ہوکر اللہ تعالیٰ کی رحمت سے دھتکار دیئے جائیں گے، تو پھر ضروری ہے کہ اس ماہِ مقدس سے کما حقہ استفادہ کرنے کیلئے کمر بستہ ہو جائیں، اللہ تعالیٰ سے حسنِ توفیق کے طالب بن جائیں کہ اس کی توفیق کے بغیر کوئی نیکی ممکن نہیں ہے، اور اس بابرکت ماہِ مبارک میں مجھ ناچیز کو میرے والدین اور اساتذہ کرام کو بھی اپنی خصوصی دعاؤں میں یاد رکھیئے گا۔

وصلى الله تعالىٰ على نبيه وخليله محمد وعلى آله وصحبه وأهل طاعته أجمعين الى يوم الدين

والسلام؛ ابوصہیب نثار عفی عنہ

03212881695